تدبر

لاہور

جاری کردہ :

مولانا امین احسن اصلاحی

مُدیر:

خالد مسعود

یکے از مطبوعات

اِدارۂ تدبرِ قرآن و حدیث

لاہور۔ پاکستان

نئی اشاعت

تفسیر قرآن کے اصول

تالیف :- امام حمید الدین فراہی — ترجمہ و ترتیب :- خالد مسعود

موضوعات

1- قرآن میں تدبر و تفکر کی اہمیت
2- قرآن مجید کی ترتیب
3- قرآن۔ ایک مربوط و منظم کتاب
4- اصول تفسیر کو مدون کرنے کی ضرورت
5- اصول تفسیر سے متعلق چند تمہیدی مباحث
6- تفسیر قرآن کے اصول
7- اصول تاویل

قیمت -/80 روپے

اصول فہم قرآن

مصنف :- مولانا امین احسن اصلاحی — ترتیب :- عبداللہ غلام احمد

موضوعات

- فہم قرآن کے لیے چند بنیادی اصول
  1- قرآن مجید کی دعوت عقل و فطرت پر مبنی ہے۔
  2- قرآن مجید کی ترتیب اتفاقی نہیں بلکہ توقیفی ہے۔
  3- قرآن حق و باطل کے امتیاز کے لیے کسوٹی ہے
  4- قرآن مجید قریش کی ٹکسالی عربی زبان میں نازل ہوا۔
  5- قرآن قطعی الدلالۃ ہے۔
- نسخ اور اس کی حکمت
- حکمت قرآن کے فہم کے لیے اساس

قیمت -/34 روپے

اسباق النحو

مصنف :- خالد مسعود

- امام فراہی کی کتاب پر مبنی نئی ترتیب کے ساتھ
- عربی زبان کے قواعد کی تعلیم کا جدید انداز
- اسم، فعل اور حرف کا ضروری تعارف
- ترجمہ کے لیے مشقیں

قیمت -/36 روپے

"میرے نزدیک یہ کتاب طلبہ فن کے لیے کافی ہے۔ اس سے عربی زبان
عربی زبان سیکھنے کی راہ باز ہو جائے گی"۔ مولانا امین احسن اصلاحی

ملنے کا پتہ

1- ادارہ تدبر قرآن و حدیث۔ رحمان سٹریٹ' مسلم کالونی سمن آباد' لاہور۔
2- دار التذکیر۔ رحمان مارکیٹ' غزنی سٹریٹ اردو بازار' لاہور۔

جاری کردہ
مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر:
خالد مسعود

تدبر لاہور

شمارہ 66
دسمبر 1999ء
رمضان 1420ھ

مجلس ادارت
عبداللہ غلام احمد
ماجد خاور
محبوب سبحانی
سعید احمد

قیمت ۵۰/۱۲ روپے
سالانہ ۰۰/۱۳۰ روپے
بیرون ملک ۰۰/۲۵۰ روپے
(ماسوائے برصغیر)

فہرست

تذکرہ و تبصرہ
دور حاضر میں تفہیم دین کا صحیح طریقہ — خالد مسعود — 3

تدبر حدیث
صحیح بخاری۔ کتاب البیوع — امین احسن اصلاحی / سید اسحاق علی — 6
موطا کی کتاب الجامع کی روایات — امین احسن اصلاحی / سعید احمد — 22

مقالات
آنحضرتؐ کے خلاف یہود کی ریشہ دوانیاں — خالد مسعود — 35
قیامت کی ضرورت — محبوب سبحانی — 45

تبصرہ
یا ساری الجبل — عبداللہ غلام احمد — 53

ناشر، ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد لاہور

مطبعہ، المطبعۃ العربیۃ لاہور

خالد مسعود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دورِ حاضر میں تفہیم دین کا صحیح طریقہ

نئی دہلی (بھارت) کی جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے مرکز دراسات عربیہ وافریقیہ کے پروفیسر جناب محمد اسلم اصلاحی ایک صاحب علم و فضل ہستی ہیں۔ گزشتہ فروری میں سرائے میر میں منعقد ہونے والے امین احسن اصلاحی سیمینار میں انھوں نے شرکت فرمائی اور اپنا مقالہ پیش کیا۔ وہیں ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ انھوں نے بڑی محبت سے واپسی سفر کے دوران میں دہلی میں ملاقات کی دعوت دی لیکن اس کے لیے میں وقت نہ نکال سکا۔ حال ہی میں ان کی جانب سے ایک مکتوب گرامی موصول ہوا ہے جس میں انھوں نے تدبر کے گزشتہ شمارہ کے بارہ میں نہایت گراں قدر آراء کا اظہار فرمایا ہے۔ انھوں نے رسالہ کے مشمولات کے ظاہر پر نہیں بلکہ ان کے مضمرات اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج پر روشنی ڈالی ہے۔ پروفیسر صاحب کا مکتوب گرامی اس لائق ہے کہ تدبر کے قارئین کے استفادہ کے لیے ہم اس کو ان صفحات میں نقل کریں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ماہ ستمبر کا تدبر موصول ہوا۔ کثرت مشاغل کے باوجود مشمولات پر ایک نظر ڈالنے کی سعادت حاصل کی۔ تدبر حدیث کے ضمن میں ''کتاب البیوع۔ صحیح بخاری'' اور ''موطا کی کتاب الجامع کی روایات'' کی تشریح و توضیح ہمیں مہمیز کرتی ہے اس بات کے لیے کہ ہم موجودہ حالات و واقعات کے تناظر میں ان احکام و اوامر پر از سر نو غور و خوض کریں جن کا تعلق دنیاوی معاملات و مسائل سے ہے، اور امت مسلمہ کے سواد اعظم کو کشمکش و تذبذب کے ماحول سے باہر نکالیں۔ اس غایت منشود کے حصول کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہم ہمہ وقت اپنی ساری توجہ متعلقہ احکام و اوامر میں مضمر روح پر مرکوز رکھیں اور ظاہری ہیئت و نمائش سے ہمارا تعلق صرف اور صرف بہ تقاضائے ضرورت ہو۔ ایسی حالت میں یہ عین ممکن

ہے کہ ہم ایک تطور پذیر انسانی معاشرے میں احکام کے ظاہری احوال واشکال میں تغیر و تبدیلی کی گنجائش نکال لیں- اس حقیقت کا ادراک ہمیں قوم یہود کے تاریخی جمود و شمود سے بخوبی ہوتا ہے- اس نکتہ کی مزید وضاحت کے لیے یہاں میزان و مقیاس کی مثال دی جا سکتی ہے کہ ان کی ظاہری ہیئتوں میں ہر چند کہ فی زمانہ بے انتہا تبدیلی آچکی ہے لیکن ان آلات کی ایجاد کے پس پردہ یہ جذبہ کہ ناپ تول میں کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو، آج بھی علی حالہٖ برقرار ہے- آپ کے مقالہ "آنحضرت کے خلاف یہود کی ریشہ دوانیاں" کے مطالعہ سے ہمیں اس اہم نکتہ کی تفہیم میں کافی مدد ملتی ہے- آپ نے 'راعنا' اور 'راعینا' اور اس قبیل کے دیگر الفاظ کے مابین پائے جانے والے ظاہری نیز معنوی فرق کو جہاں بعض مخصوص تاریخی واقعات کے پس منظر میں حسن و خوبی اجاگر کیا ہے وہیں اس سے ہمیں قوم یہود کی مخصوص ذہنی سوچ کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے- اسلام میں الفاظ و کلمات کے صوتی مخارج سے زیادہ اہمیت قلب و دماغ کی اس کیفیت کی ہے جس کے زیر اثر انسانی اعمال و افعال عالم وجود میں آتے ہیں- اگر یہ کیفیت بے داغ ہے تو ہمارے بظاہر قدرے ناقدر اعمال بھی عند اللہ موجب اجر و ثواب ہوں گے- شریعت الٰہی کا یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے عدم التزام نے قوم یہود کو ذلت و خواری کی گہرائیوں میں دھکیل دیا-

مجموعی طور پر تدبر کے زیر نظر شمارے کی تحریریں تفہم و تعقل کی دعوت دیتی ہیں اور یہی وصف ہمارے خیال میں آپ کو مقصود اور مطلوب بھی ہے- خدا آپ کی ان کوششوں کو مزید بار آور بنائے"-

جناب محمد اسلم اصلاحی کی نظر بالکل درست نقاط پر مرتکز ہوئی ہے- فی الحقیقت فکر فراہی و اصلاحی تدبر و تفکر ہی کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی دعوت دیتا ہے- کیونکہ عالم اسلام اس وقت جس جمود کا شکار ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ عقل کو ایک فالتو شے سمجھ کر دین کے معاملات سے بے دخل

کر دیا گیا اور نئے پیدا شدہ مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا- حالانکہ شریعت نے آئندہ پیدا ہونے والے مسائل میں شرعی احکام معلوم کرنے کے لیے خود ہی یہ راہ بھائی تھی اور صدر اول میں اس پر لوگ گامزن بھی رہے-

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے دروس عام ڈگر سے ہٹ کر ہیں- ان میں سوالات پیدا کر کے قاری کے ذہن کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بیدار ہو- وہ اس غلط فہمی سے نکلے کہ اگر ایک چیز صحیح بخاری یا موطا میں بیان ہو گئی ہے تو اس کے حسن و قبح پر زبان کھولنا کفر کے مترادف ہے- مولانا دوسرے علماء کی طرح بے جا عقلیت پسندی کے تو مخالف تھے لیکن علمی حدود کے اندر وہ عقل کے استعمال کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے- اور ہمارے نزدیک اس دور میں دین کی تفہیم کا یہی طریقہ درست ہے-

قارئین تدبر کے لیے یہ خبر خوش آئند ہوگی کہ ادارہ تدبر قرآن و حدیث نے پچھلے دنوں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے چند لیکچر 'اصول فہم قرآن' نام کے ایک کتابچہ کی صورت میں شائع کر دیے ہیں- اس کے علاوہ 'تفسیر قرآن کے اصول' کے نام سے مولانا حمید الدین فراہیؒ کے وہ اصول تفسیر جو مقدمہ نظام القرآن، دلائل النظام اور التکمیل فی اصول التاویل میں منتشر حالت میں تھے، اب یکجا کر کے نئی ترتیب کے ساتھ مدون کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیے گئے ہیں- اب مولانا اصلاحی کے دروس موطا کو کتابی صورت میں مرتب کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے- ان شاء اللہ اولین دو کتابیں قرآن فہمی میں ممد ثابت ہوں گی اور دروس موطا حدیث پر غور و فکر کی راہ کھولیں گے- وباللہ التوفیق

مولانا امین احسن اصلاحی

صحیح بخاری - کتاب البیوع

باب ۱۳۰۹ : شراء الحوائج بنفسه و قال ابن عمر اشتری النبی ﷺ جملا من عمر و قال عبدالرحمن ابن ابی بکرؓ جاء مشرك بغنم فاشتری النبی ﷺ منه شاة و اشتری من جابرؓ بعیرا-

باب : اپنی ضروریات خود خریدنے کے بارے میں - ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے ایک اونٹ خریدا اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے کہا کہ ایک مشرک بکریاں لے کر آیا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے ایک بکری خریدی اور حضرت جابرؓ سے آپؐ نے ایک اونٹ خریدا-

۱۹۶۷- حدثنا یوسف بن عیسی حدثنا ابومعاویه حدثنا الاعمش عن ابراهیم عن الاسود عن عائشةؓ قالت اشتری رسول الله ﷺ من یهودی طعاما بنسیئة و رهنه درعه-

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اس کے ہاں اپنی زرہ گرو رکھ دی-

وضاحت : یہ روایت پہلے گزر چکی ہے اور وہاں میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ واقعہ مدینہ کے بالکل ابتدائی دور میں پیش آیا ہو گا - مدینہ کے حالات بہت جلد تبدیل ہو گئے تھے اور حضور ﷺ کو اپنی زرہ گرو رکھنے کی ضرورت نہیں تھی - رہ گیا رہن کا مسئلہ تو تحریر اور گواہ کے قانون کے نازل ہونے کے بعد رہن رکھنا جائز نہیں ہے - رہن رکھنا صرف اس شکل میں جائز ہو گا جہاں تحریر اور گواہ میسر نہ آتے ہوں - اور جونہی یہ موقعہ پیدا ہو جائے کہ تحریر ہو سکتی ہے تو تحریر کر کے رہن واپس کیا جائے گا - نیز رہن چیز کو کسی نوعیت سے استعمال نہیں کیا جائے گا-

باب ۱۳۱۰ : شراء الدواب والحمیر و اذا اشتری دابة او جملا وهو علیه هل یکون ذالک قبضا قبل ان ینزل و قال ابن عمرؓ قال النبی ﷺ لعمر بعنیه یعنی جملا صعبا-

باب : چوپایہ جانوروں اور گدھوں کی خریداری کے بارے میں - اور اگر کوئی سواری کا جانور یا اونٹ خریدے اور بیچنے والا اس پر سوار ہو تو اس کے اترنے سے پہلے خریدار کا قبضہ پورا ہو گا یا نہیں - اور ابن عمرؓ نے کہا آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے ایک اڑیل اونٹ کے بارے میں کہا کہ اسے میرے ہاتھ بیچ دو-

۱۹۶۸- حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالوهاب حدثنا عبیدالله عن وهب بن کیسان عن جابر بن عبداللهؓ قال کنت مع النبی ﷺ فی غزاة فابطابی جملی و اعیا فاتی علی النبی ﷺ فقال جابر فقلت نعم قال ما شأنک قلت ابطأ علی جملی و اعیا فتخلفت فنزل یحجنه بمحجنه ثم قال ارکب فرکبت فلقدر ایته اکفه عن رسول الله ﷺ قال تزوجت قلت نعم قال بکرا ام ثیبا قلت بل ثیبا قال افلا جاریة تلاعبها و تلاعبک قلت ان لی اخوات فاحببت ان اتزوج امراة تجمعهن و تمشطهن و تقوم علیهن قال اما انک قادم فاذا قدمت فالکیس الکیس ثم قال اتبیع جملک قلت نعم فاشتراه منی باوقیة ثم قدم رسول الله ﷺ قبلی و قدمت بالغداة فجئنا الی المسجد فوجدته علی باب المسجد قال الان قدمت قال نعم قال فدع جملک فادخل فصل رکعتین فدخلت فصلیت فامر بلا لا ان یزن له اوقیة فوزن لی بلال فارجح فی المیزان فانطلقت حتی ولیت فقال ادع لی جابرا قلت الان یرد علی الجمل ولم اکن شئ ابغض الی منه قال خذ جملک ولک ثمنه-

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں ایک غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا، میرا اونٹ سست ہو گیا اور اس نے مجھے بے بس کر دیا۔ آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا جابر ہو، میں نے کہا جی۔ آپ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا یہ میرا اونٹ چلتا نہیں، اس نے مجھے عاجز کر دیا ہے اس لیے میں پیچھے رہ گیا۔ آپ نے نیچے اتر کر محجن سے اسے ٹھوکے لگائے۔ پھر فرمایا سوار ہو جاؤ۔ میں سوار ہو گیا تو اونٹ ایسا تیز ہو گیا کہ میں اس کو روکنے لگا کہ آنحضرت ﷺ سے آگے نہ نکلنے پائے۔ آپ نے پوچھا جابر تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کنواری سے یا شوہر آشنا سے۔ میں نے کہا شوہر آشنا سے۔ آپ نے فرمایا کنواری سے کیوں نہ کیا؟ تو اس سے کھیلتا، وہ تجھ سے کھیلتی۔ میں نے عرض کیا کہ میری بہت سی بہنیں ہیں تو میں نے یہ چاہا کہ ایسی عورت کروں جو ان کا خیال رکھے، کنگھی چوٹی کرے اور ان کی نگرانی کرے۔ آپ نے فرمایا تم ہمارے پیچھے آ رہے ہو۔ پس جب پہنچ جاؤ تو دیکھنا بردباری سے کام لینا۔ پھر فرمایا یہ اپنا اونٹ بیچو گے؟ میں نے کہا بیچتا ہوں تو نبی ﷺ نے ایک اوقیہ پر خرید لیا۔ پھر نبی ﷺ مجھ سے پہلے مدینے پہنچ گئے۔ میں دوسرے دن صبح کو پہنچا۔ ہم مسجد میں آئے تو آپ مسجد کے دروازے پر ملے۔ پوچھا تم اب آئے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اونٹ کو چھوڑ دو، مسجد میں جاؤ اور دو رکعتیں نماز پڑھو۔ میں مسجد میں گیا اور نماز پڑھی۔ پھر آپ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ مجھے ایک اوقیہ تول دیں۔ بلالؓ نے جھکتی ہوئی تول دی۔ میں مڑ کر چلا۔ اس وقت آپ نے فرمایا جابرؓ کو بلاؤ۔ میں اپنے دل میں سمجھا آپ شاید اونٹ مجھے لوٹا دیں۔ اور اس کا لوٹانا مجھے اس وقت بہت ناگوار لگ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اپنا اونٹ لے جاؤ اور اس کی قیمت بھی تمہاری ہے۔

وضاحت : یہ روایت اس رویہ کو بہت اچھی طرح نمایاں کرتی ہے جو نبی ﷺ کا اپنے صحابہ سے تھا۔ آپ اگر کسی کو دیکھتے کہ پیچھے نہیں آ رہا ہے تو سواری واپس کر کے لے جاتے اور اس کی خبر لیتے۔ حسبِ موقع ملتا تو بے تکلفی کی باتیں بھی کرتے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ حضرت جابرؓ کی سات یا نو بہنیں ہیں اور یہ بھی علم تھا کہ وہ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ شادی کا ذکر کرنے میں سوال ایسا کیا جس سے ان کی طبیعت کی سلامت روی واضح ہو۔ مطلب یہ کہ دیکھیں کہ ابھی وہی جوانوں کا سا سوچنے کا انداز ہے یا عاقبت بینی ان کے اندر ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے آپ نے دلچسپی کا فقرہ کہا کہ

شادی کنواری سے کی ہے یا شوہر آشنا خاتون سے۔ تو انہوں نے کہا کہ شوہر آشنا سے۔ گھر میں اتنی بہنیں بیٹھی ہیں، ایک لڑکی کو لا کر میں اپنے آپ کو کیوں مصیبت میں ڈالتا۔ میں نے چاہا کہ ایک ایسی خاتون لاؤں جو سب بہنوں کو اکٹھا رکھے اور سلیقہ سکھائے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں داد دی کہ یہ تم نے بہت اچھا کام کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا تعلق صحابہ سے لیڈرانہ قسم کا نہیں تھا بلکہ نہایت گہرا رفیقانہ تھا۔ آپ ان سے بے تکلف بھی ہو جاتے تھے اور یہ کہ آپ نام لے کر اپنے صحابہ کو مخاطب کرتے تھے۔ نفسیات کے ماہر کہتے ہیں کہ ہر افسر کو چاہیے کہ اپنے ماتحت کو نام لے کر پکارے، اس میں بڑی حکمتیں ہیں۔ ماتحت جان جائے گا کہ میرا افسر مجھ پر اعتماد کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے ایک اوقیہ وزن پر حضرت جابرؓ کا اونٹ خرید لیا۔ یہ معلوم نہیں اوقیہ چاندی کی تھی یا سونے کی۔ اس میں بڑا اختلاف ہے۔ لیکن اس تحقیق سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ جب مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے کہا کہ ایک اوقیہ تول کر حضرت جابرؓ کو دے دیں۔ حضرت بلالؓ حضور ﷺ کے خزانچی، سیکرٹری سب کچھ تھے۔ انہوں نے جھکتا تول کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے ایسا کرنے کی ان کو ہدایت دی ہو گی۔

اس روایت میں ایک لفظ اور بھی ہے، فالکیس الکیس۔ شارحین نے اس پر جو کچھ لکھا ہے وہ میں کیا بیان کروں۔ بات صرف اتنی ہے کہ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ جابر کی سات بہنیں ہیں۔ بیوی اس کی ابھی نئی آئی ہے۔ ہو سکتا ہے گھر میں جائیں تو کوئی بے ترتیبی یا بے نظمی دیکھیں۔ اس لیے قاعدہ یہ بنایا گیا تھا کہ لوگ جب سفر سے لوٹ کر آئیں تو پہلے سے گھر والوں کو اطلاع کر دیں۔ اچانک آئیں تو بے تکلفی کے ساتھ عورتیں رہتی ہیں۔ ممکن ہے کسی بے نظمی پر نظر پڑ جائے اور مرد غصہ میں کچھ کہہ بیٹھے یا کر بیٹھے۔ تو یہاں آپ نے جابر سے فرمایا کہ فالکیس الکیس۔ مطلب یہ کہ گھر میں کوئی بات بے ترتیبی یا بے نظمی کی دیکھو تو بردباری اور حلم سے کام لینا۔

باب ۱۳۱۱۔ الاسواق التی کانت فی الجاھلیة فتتابع بھا الناس فی الاسلام

باب : ان بازاروں کے بارے میں جو زمانہ جاہلیت میں تھے، پھر لوگوں نے اسلام کے دور میں ان میں کاروبار کیا۔

۱۹۶۹- حدثنا علی بن عبداللہ حدثنا سفیان عن عمرو عن ابن عباس قال کانت عکاظ و مجنة و ذوالمجاز اسواقا فی الجاھلیة فلما کان الاسلام تاثموا من التجارة فیھا فانزل اللہ لیس علیکم جناح فی مواسم الحج قرا ابن عباس کذا-

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت کے بازار تھے- جب اسلام کا دور آیا تو لوگوں نے ان میں کاروبار کرنے کو کچھ برا محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اتارا کہ لیس علیکم جناح فی مواسم الحج - تم پر کچھ گناہ نہیں حج کے موسموں میں- ابن عباسؓ نے ایسا ہی پڑھا-

وضاحت: اس روایت کی رو سے جب اسلام آیا تو لوگوں نے جاہلیت کے دور سے جو بازار چلے آرہے تھے ان میں تجارت کرنا برا جانا- اول تو یہی بات غلط معلوم ہوتی ہے - اوپر روایت گزر چکی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہجرت کر کے آئے تو ان کے انصاری بھائی نے کہا کہ جناب میں آدھی زمین آپ کو دیتا ہوں اور میری بیویوں میں سے آپ جس کو کہیں طلاق دے دیتا ہوں، عدت گزرنے کے بعد آپ ان سے نکاح کر لیجئے، تو مہاجر بھائی نے کہا مجھے یہ کچھ نہیں چاہیے- آپ مجھے بازار کا راستہ بتا دیجئے تو انہوں نے بنو قینقاع کے بازار کا راستہ بتا دیا جو یہودیوں کی بستی تھی- انہوں نے وہاں کاروبار شروع کر دیا اور کسی تعصب کا اظہار نہیں کیا- ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ جہاں جاہلیت میں کاروبار کرتے تھے وہاں اسلام میں بھی کر سکتے ہیں یا نہیں- حالانکہ جس زمین پر جاہلیت میں رہتے تھے اسی زمین پر اسلام میں رہے- اسلام میں اخلاق اور ایمان میں تبدیلی آتی ہے- آسمان اور زمین نیز بازار وغیرہ سب وہی رہتے ہیں-

آخر میں آیت لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (بقرہ: ۱۹۸) کا حوالہ ہے کہ ابن عباسؓ نے اسے 'فی مواسم الحج' کے اضافہ کے ساتھ پڑھا- راوی نے یہ تاثر دیا ہے جیسے یہ ٹکڑا قرآن کا حصہ ہو- حالانکہ ابن عباس نے تاویل کی ہے اور اس آیت کو موقع حج سے متعلق مانا ہے اور یہ بات درست ہے-

باب ۱۳۱۲- شراء الابل الھیم اوالاجرب- الھائم الخالف للمقصد فی کل شیئ

باب: ھیم اونٹوں یا خارشی اونٹوں کی خریداری کے بارے میں- ہر چیز میں مقصد کے مخالف کو ہائم کہتے ہیں- باب کی عبارت کا پہلا حصہ عنوان باب ہے- اور الھائم المخالف للمقصد فی کل شیئ الگ جملہ ہے جو امام بخاری نے لفظ ھیم کی وضاحت میں تحریر کیا ہے- وہ اس سے آوارہ گرد اونٹ جس کی چال میں فرق ہو اور سیدھا نہ چلتا ہو، مراد لے رہے ہیں-

بڑے لوگوں کی غلطیاں بھی شاندار ہوتی ہیں- امام بخاری کو مغالطہ ہوا ہے کہ ہائم ھیم کی واحد ہے حالانکہ دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے- ھیم لفظ اھیم کی جمع ہے اور یہ لفظ ھیام سے بنا ہے جو اونٹوں کی ٹونسی کی ایک بیماری ہے- اس بیماری میں وہ پانی پیتے جاتے ہیں اور پانی نہ ملے تو مر جاتے ہیں- یہ متعدی بیماری نہیں ہے- امام بخاری نے لفظ کی شرح اس طرح کی ہے کہ گویا لفظ ھیم انھم فی کل واد یھیمون سے لیا گیا ہے جو قرآن میں سورہ شعراء میں شاعروں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں- قرآن میں فشاربون شرب الھیم جو آیا ہے اس پر ان کی نظر نہیں گئی- لغت میں امام بخاری جیسے بڑے آدمی کی اس قسم کے اناڑی پن کی مثال اپنی جگہ پر بہت عجیب ہے-

۱۹۷۰- حدثنا علی حدثنا سفیان قال قال عمرو کان ھھنا رجل اسمہ نواس و کانت عندہ ابل ھیم فذھب ابن عمرؓ فاشترا تلک الابل من شریکہ فقال بعنا تلک الابل فقال ممن بعتھا قال من شیخ کذا و کذا فقال و یحک ذاک واللہ بن عمر فجاءہ فقال ان شریکی باعک ابلا ھیما و لم یعرفک قال فاستقھا قال فلما ذھب یستاقھا فقال دعھا رضینا بقضاء رسول اللہ ﷺ لا عدوی سمع سفیان عمرو-

ترجمہ: عمرو کہتے ہیں کہ یہاں نواس نامی ایک شخص تھا اس کے پاس اونٹ تھا جس کو ھیام کی بیماری تھی- عبداللہ بن عمر گئے اور نواس کے ایک ساجھی سے وہ اونٹ خرید لیا- وہ ساجھی نواس کے پاس گیا اور

کہا کہ ہم نے لونٹ بیچ ڈالا- تو اس نے پوچھا کس کے ہاتھ- اس نے کہا کہ ایک بزرگ کے ہاتھ جو ایسی شکل کے تھے- تو اس نے کہا ناس ہو تیرا، یہ تو اللہ کی قسم عبداللہ بن عمرؓ تھے- وہ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے ساجھی نے آپ کے ہاتھ اونٹ بیچ ڈالا جس کو تونس کی بیماری ہے اور آپ کو پہچانا نہیں- تو انہوں نے کہا وہ اونٹ ہانک لے جا- وہ اس کو ہانک لے جانے لگا تو ابن عمرؓ نے کہا رہنے دے- ہم آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر راضی ہیں کہ اسلام میں تعدی کا نظریہ نہیں- یہ روایت سفیان نے عمرو سے سنی-

وضاحت : ابل لونٹ کے لیے اسم جنس ہے اور اس کی جمع بھی یہی ہے- روایت میں یہ ہے کہ اونٹ ھیام کی بیماری میں مبتلا تھے اور ان میں سے کوئی اونٹ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خریدا تھا- یہ بیماری متعدی نہیں ہے تو حضرت ابن عمرؓ کا یہ فرمانے کا کیا مطلب کہ لا عدوی- یہ الگ مسئلہ ہے کہ عدوی یعنی متعدی بیماری کے معاملہ میں صحیح نقطہ نظر کیا ہے- بہر حال انہوں نے کہا کہ ہم حضور ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہیں- اس روایت میں جھول معلوم ہوتا ہے-

تعدی ہے یا نہیں تو اس معاملہ میں سیدنا عمرؓ کے ایک موقع پر اپنے طرز عمل سے رہنمائی ملتی ہے- ایک مرتبہ آپ کسی علاقہ میں جانا چاہتے تھے تو لوگوں نے کہا وہاں مت جایئے، وہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے- آپ رک گئے- کسی نے اعتراض کیا کہ کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف جا رہا ہوں- میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کہ وبا میں چھلانگ لگا دیں- ہاں اگر کوئی وبا آگئی ہے تو فرار ہونے میں کئی خطرے ہیں- وہ لوگ جن کے پاس ذرائع ہیں وہ تو نکل جائیں گے، غریب لوگ کیا کریں گے- یہ نکل جانا اخوت، محبت اور ہمدردی کے بھی خلاف ہے- ہو سکتا ہے کہ بہت زیادہ اموات واقع ہو جائیں تو تجہیز و تکفین کے لیے بھی لوگ موجود نہ ہوں- بیماروں کی تیمارداری کے لیے لوگوں کو رہنا چاہیے- اگر وبا آگئی ہے تو اللہ کے بھروسے پر آپ ٹکے رہیں- نہیں آئی ہے تو چھلانگ لگا کر اس میں نہ کود پڑیں-

اس حقیقت کو حضرت مسیح نے عمدہ طریقہ پر واضح کیا ہے- ایک یہودی نے کہا بہت اللہ اللہ کرتے ہو، اس پہاڑ کی چوٹی سے کود کر دکھاؤ کہ تمہارا اللہ تمہیں کیسے بچا لیتا ہے- تب جانوں کہ اللہ

تمہارے ساتھ ہے- حضرت مسیح نے کہا اے بے ایمان دور ہو- میرے رب نے مجھے اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے آزمائے، مجھ کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ میں اس کو آزماؤں- اس واقعہ میں صحیح حکمت ہے- آپ اپنے اونٹ کو باندھ دیجئے اور توقع رکھیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اونٹ کی حفاظت کرے گا- اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ایک پتا تک نہیں ہلتا-

باب ۱۳۱۳- بیع السلاح فی الفتنة وغیرها و کره عمران بن حصین بیعه فی الفتنة-

باب : جب مسلمانوں میں آپس میں فساد ہو رہا ہو تو ہتھیار بیچنا کیسا ہے اور عمران بن حصین نے اس کو مکروہ جانا ہے-

۱۹۷۱- حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک عن یحیی بن سعید عن ابن افلح عن ابی محمد مولیٰ ابی قتادہ عن ابی قتادہ قال خرجنا مع رسول الله ﷺ عام حنین فاعطاه یعنی درعا فبعت الدرع فابتعت مخرفا فی بنی سلمة فانه لاول مال تاثلته فی الاسلام-

ترجمہ : ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حنین کی جنگ کے لیے نکلے تو آپ نے ان کو ایک زرہ دی- کہتے ہیں کہ میں نے زرہ بیچ کر بنی سلمہ کے محلہ میں ایک باغ خرید لیا- یہ پہلی جائیداد ہے جو اسلام کے زمانے میں میں نے حاصل کی-

وضاحت : عام حنین کے معنی ہوں گے حنین کے سال- مطلب یہ ہے کہ حنین کی جنگ کے لیے نکلے- فاعطاه یعنی درعا میں لفظ درعا فاعطاه کا مفعول ہونا چاہیے تھا- لیکن یہاں لفظ یعنی لگایا گیا ہے- گویا یہ اعطاه کی شرح ہے- معلوم ہوتا ہے یہاں جملے میں کچھ چھوٹ گیا ہے- مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے ایک زرہ ابو قتادہؓ کو دی- بعض لوگ کہتے ہیں کہ حنین میں مال غنیمت کا کیا سوال جبکہ اس جنگ میں شکست ہوئی- لیکن ایسا نہیں ہے- شروع کی بھگدڑ کے بعد مسلمان سنبھل گئے تھے- ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے زرہ بیچ کر اس سے ایک باغ خرید لیا تو زرہ کیا من کی تھی- مخرفا سے مراد باغ ہی ہے- باغ

ایک درخت یا دو درخت کا تو نہیں ہوتا- باغ ہی رہا ہو گا- کسی نے مخرفا کا ترجمہ نوکری بھی کیا ہے لیکن میں نے اسے چھوڑ دیا اس لیے کہ آگے آرہا ہے کہ اتنی بڑی جائداد حاصل کی- تاہم اس کے یہی معنی ہوں گے- البتہ شاید یہ ہو کہ انہوں نے طنز کے طور پر یہ لفظ استعمال کیا ہو- واللہ اعلم-

حضرت انسؓ سے ایک روایت گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے ہاں گرو رکھ کر صاع دو صاع گندم ادھار لیے تھے- اس سے زرہ کی قدر و قیمت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے-

باب ۱۳۱۴- فی العطار و بیع المسک

باب عطار اور مشک بیچنے کے بارے میں

۱۹۷۲- حدثنی موسیٰ بن اسمٰعیل حدثنا عبدالواحد حدثنا ابوبردہ بن عبداللہ قال سمعت ابو بردہ بن ابی موسیٰ عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ مثل الجلیس الصالح والجلیس السوء کمثل صاحب المسک و کیر الحداد لا یعدمک من صاحب المسک اما تشتریہ او تجدریحہ و کیر الحداد یحرق بدنک او ثوبک او تجد منہ ریحا خبیثا-

ترجمہ: ابو موسیٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صالح ہمنشین اور برے ہمنشین کی تمثیل یوں ہے جیسے کہ ایک مشک فروش اور لوہار کی پھونکنی- تو مشک والے کے پاس جائے تو فائدہ سے خالی نہیں آتا- یا تو مشک خریدے گا یا نہ بھی خریدے تو خوشبو ہی سونگھتا ہے- اور لوہار کی بھٹی کا حال یہ ہے کہ یا تو اس کی چنگاری تمہارے بدن کو جلائے گی یا کپڑے کو یا تجھے بدبو سنگھاتی ہے-

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ اچھے ساتھی کے پاس اگر بیٹھنے کا موقع نہ بھی ملا تو اس کے پاس سے گزرتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ برکت پالو گے- اور برے ساتھی سے بجز اس کے کہ دکھ اور تکلیف پہنچ جائے اور کوئی فائدہ نہیں- یہ بات قدیم حکمتوں میں بھی آئی ہے- آنحضرت ﷺ کی احادیث میں اس طرح کی اکثر باتیں قدیم حکمتوں سے مشابہ آئی ہیں- بعض جگہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے ہی ان

اور منسوب آنحضرت ﷺ سے کر دی ہیں- الحکمۃ ضالۃ المومن- حکمت کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے- جہاں پائے حق ہے کہ اس پر قبضہ کر لے-

باب ۱۳۱۵- ذکر الحجام- باب حجام یعنی پچھنے لگانے والے کا بیان

۱۹۷۳- حدثنا عبداللہ بن یوسف اخبرنا مالک عن حمید عن انس بن مالک قال حجم ابو طیبۃ رسول اللہ ﷺ فامر لہ بصاع من تمر و امر اهلہ ان یخففوا من خراجہ-

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطیبہ نے حضور ﷺ کے پچھنے لگائے- آپ نے ایک صاع کھجور اس کو دلوادی اور اس کے مالکوں کو یہ حکم دیا کہ اس کا محصول کم کر دیں-

وضاحت: پچھنا لگانا یعنی کسی شریان سے خون نکالنا- اس زمانے میں یہ کام حجام کیا کرتے تھے- رسول اللہ ﷺ نے اس کو بطور اجرت ایک صاع کھجور دلوادی اور اس کے مالکوں کو حکم دیا کہ اس کے خراج میں کمی کر دیں- پیشہ ور لوگ اپنی کمائی میں سے ایک قطعی رقم اپنے مالکوں کو دیتے تھے اسے خراج کا نام دیا گیا ہے- اگر آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا تو اس کو اس بات پر محمول نہیں کیا جائے گا کہ آپ نے دوسرے پر دباؤ ڈالا- دوسروں کو جو حکم آپ نے دیا وہ بطور دینی ہدایت اور رہنمائی کے لیے دیا تھا- انہی باتوں کی تعلیم کے لیے آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے- ہو سکتا ہے کہ آپ کے علم میں یہ بات آئی ہو کہ جو خراج اس سے لیا جاتا ہے وہ زیادہ ہے اور اس میں آپ نے مناسب کمی کا حکم دیا ہو- یہ اگر مشورہ ہو تو، حکم ہو تو، آپ کو اس کا حق تھا-

۱۹۷۴- حدثنا مسدد حدثنا خالد هو ابن عبداللہ حدثنا خالد عن عکرمۃ عن ابن عباس قال احتجم النبی ﷺ و اعطی الذی حجمہ - لو کان حراما لم یعطہ-

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے پچھنا لگوایا اور جس نے پچھنے لگائی تھی اس کو کچھ دیا، اگر دینا حرام ہوتا تو آپ اس کو کیوں دیتے؟

وضاحت: نبی ﷺ نے حجام کو مزدوری دی- اگر اس کی اجرت دینا حرام ہوتا تو آپ ﷺ نہ دیتے-

اس روایت میں ثمن الدم والی روایت کا جواب دیا ہے-

باب۱۳۱۶-التجارة فيما يكره لبسه للرجال و النساء-

باب: ایسی چیزوں کی تجارت جن کا پہننا مردوں اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے-

۱۹۷۵- حدثنا آدم حدثنا شعبة حدثنا ابوبكر بن حفص عن سالم بن عبدالله بن عمر عن ابيه قال ارسل النبی ﷺ الی عمر بحلة حرير او سيراء فراها عليه فقال انی لم ارسل بها اليک لتلبسها انما يلبسها من لاخلاق له انما بعثت اليک لتستمتع بها يعنی تبيعها-

ترجمہ: عبداللہ بن عمر حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک ریشمی سوٹ بھیجا- آپ نے دیکھا کہ اسے خود حضرت عمر پہنے ہوئے ہیں- تو فرمایا کہ میں نے یہ اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو پہنو- اس کو تو وہ پہنتا ہے جس کا جنت میں کوئی حصہ نہیں- میں نے اس لیے بھیجا تھا کہ اس سے کوئی فائدہ اٹھاؤ-

وضاحت: حلہ سوٹ کو کہتے ہیں جس میں قمیض اور پہننے کی چادر ایک ہی کپڑے کے ہوتے ہیں-

حضور ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ اس کو وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا جنت میں کوئی حصہ نہیں تو مطلب یہ ہے کہ یہ غافلوں کا لباس ہے- ہر چیز جو پہننے کی ہے وہ ہر شخص کے پہننے کی نہیں ہوتی- آدمی کو اپنے مقام اور مرتبہ کا لحاظ کر کے لباس پہننا چاہیے- اس کو اگر وہ لوگ پہنتے ہیں جن کو نہیں پہننا چاہیے تو گویا انکبار کے طور پر پہنتے ہیں اور اس کی سزا یہ ہے کہ آدمی جنت سے محروم رہے گا- حضور نے تو یہ لباس اس لیے بھیجا تھا کہ حضرت عمرؓ اس سے کوئی فائدہ اٹھا لیتے- مثلاً حضرت عمرؓ کی بیوی اس کو پہن سکتی تھیں اس لیے کہ عورتوں کے لیے ریشم جائز ہے- یا اس کو بیچ کا فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا- اس طریقہ کی چیزوں کی بیع اور شرا تو ہو گی اس لیے کہ سوسائٹی میں عورتیں بھی تو ہیں- روایت کے آخر میں تبیعھا جو بڑھایا ہے تو یہ راوی کا لفظ ہے-

۱۹۷۶- حدثنا عبدالله بن يوسف اخبرنا مالک عن نافع عن القاسم بن محمد عن عائشةؓ ام المومنين انها اخبرته انها اشترت نمرقة فيها تصاوير فلما راها رسول الله ﷺ قام على الباب فلم يدخله فعرفت فی وجهه الكراهية فقلت يا رسول الله اتوب الى الله و الى رسوله ﷺ ماذا اذنبت فقال رسول الله ﷺ ما بال هذه النمرقة قلت اشتريتها لک لتقعد عليها و توسدها فقال رسول الله ﷺ ان اصحاب هذه الصور يوم القيامة يعذبون فيقال لهم احيوا ما خلقتم و قال ان البيت الذی فيه الصور لا تدخله الملئكة-

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے قاسم بن محمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو بتایا کہ میں نے ایک مرتبہ ایک قالین خریدا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں- تو حضور ﷺ نے جب اس کو دیکھا تو دروازے پر ٹھٹک گئے، اندر نہیں داخل ہوئے- میں نے اس کراہت کو تاڑ لیا جو آپ کے چہرہ پر ظاہر ہوئی تھی- میں نے کہا کہ یا رسول اللہ، میں توبہ کرتی ہوں اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف- رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ یہ قالین کیسا ہے- میں نے کہا کہ میں نے اس کو خرید لیا تھا کہ آپ اس پر تشریف رکھیں گے اور اس پر ٹیک لگائیں گے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان صورتوں کے بنانے والے جو لوگ ہیں ان پر قیامت کے دن عذاب ہو گا اور ان سے کہا جائے گا کہ زندہ کرو ان چیزوں کو جو تم نے ڈیزائن کیا ہے اور آپ نے فرمایا کہ وہ گھر جن میں صورتیں ہوتی ہیں ان میں فرشتے نہیں داخل ہوتے-

وضاحت: اتوب الى الله و الى رسوله کے معنی تو ہیں کہ میں توبہ کرتی ہوں اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف، لیکن مطلب یہ ہے کہ میں آپ کے سامنے آپ کو گواہ بنا کر توبہ کر رہی ہوں کیونکہ رسول اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے-

قالین میں جو اصل خرابی تھی وہ صورتوں کی تھی- وہ صورتیں حرام ہیں جن میں شرعی قباحت یا اخلاقی قباحت ہو- میری یہ تقسیم سمجھانے کے لیے ہے ورنہ جو شرعی قباحت ہو گی اس میں

اخلاقی قباحت بھی ہو گی اور اخلاقی قباحت میں شرعی قباحت بھی ہو گی-

عربوں میں رواج تھا کہ وہ جو خاکے اور تصویریں بناتے تھے وہ ان کے معبودوں کی، دیوی دیوتاؤں کی اور جنات وغیرہ کی ہوتی تھیں- عقیدے اور ایمان کے اعتبار سے وہ مانتے تھے کہ یہ زندہ ہیں- یہ دیوی زندہ ہے یا یہ جن سب کو ختم کر دیتا ہے- اس طرح کا تصور ان میں تھا تو یہ سب تصاویر مشرکانہ تصورات پر بنیاد ہونے کے باعث حرام کر دی گئیں-

دوسری تصویریں فحاشی پھیلانے والی ہیں جو آج فوٹو کے ذریعہ سے، رسالوں کے ذریعہ سے، مختلف طریقوں سے اتنی کثرت سے پھیلی ہوئی ہیں کہ دنیا ان سے بھری ہوئی ہے- یہ سب کی سب اخلاقی اعتبار سے نہایت قبیح اور حرام ہیں-

باقی رہ گیا کہ یہ فوٹو اور صورت اپنی جگہ مفید مقاصد کے لیے بھی استعمال ہو سکتی ہے- تعلیم کے لیے ہو سکتی ہے، تاریخ کے ریکارڈ، ثبوت اور شہادت کے لیے ہو سکتی ہے تو اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا- یہاں تک کہ فرض کیجئے کہ کوئی شخص بت پرستی پر ایک تحقیقی کتاب لکھتا ہے کہ کیا شکلیں اور کیا کیا چیزیں تھیں جن کی پوجا ہوتی تھی اور ان کے متعلق تصورات کیا تھے- وہ محقق اس کتاب میں تصاویر بھی دے تو وہ کتاب میں بھی خرید لوں گا، اس لیے کہ مجھے قرآن مجید کی ان سے متعلق باتیں سمجھنے میں مدد ملے گی- لیکن ظاہر ہے کہ وہ میرے ایمان اور عقیدے پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتیں- وہ علمی تحقیق کی چیزیں ہیں-

جو چیزیں بے جان ہیں ان کی تصاویر پر بحث نہیں ہے- جو جاندار چیزیں ہیں، خواہ اخلاقی مفاسد کی نوعیت کی ہوں یا عقائدی گمراہی پھیلانے والی ہوں، وہ چیزیں جہاں ہوں گی وہاں رحمت کے فرشتے کاہے کو جائیں گے، البتہ ملک الموت وہاں بھی ضرور پہنچ جائیں گے-

باب ۱۳۱۷- صاحب السلعة احق بالسوم

باب :اس بارے میں کہ جس کا مال ہے اس کو قیمت کہنے کا زیادہ حق ہے-

۱۹۷۷- حدثنا موسى بن اسمعيل حدثنا عبدالوارث عن ابى التياح عن انس قال قال النبى ﷺ يا بنى النجار ثامنونى بحائطكم و فيه خرب و

نخل-

ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے بنو نجار! تم مجھ سے اپنے باغ کا مول کر لو- اس باغ میں کھنڈر اور کھجور کے درخت تھے-

وضاحت : ثامنونی یعنی قیمت بتاؤ کہ کیا لیتا ہے- یہ باغ بنی نجار کی زمین پر تھا اور آنحضرت ﷺ اس کو مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے حاصل کر رہے تھے- یہ عام قاعدہ اور فطرت کے مطابق ہے کہ جس کی چیز ہو وہ قیمت بتائے- اس میں کوئی بحث نہیں ہے-

باب ۱۳۱۶- کم یجوز الخیار - باب اس بارے میں کہ خیار کس حد تک جائز ہے-

۱۹۷۸- حدثنا صدقة اخبرنا عبدالوهاب قال سمعت نافعا عن ابن عمرؓ عن النبى ﷺ قال ان المتبايعين بالخيار فى بيعهما مالم يتفرقا او يكون البيع خيارا قال نافع و كان ابن عمرؓ اذا اشترى شيئا يعجبه فارق صاحبه-

ترجمہ : حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں اپنی بیع کے بارے میں اس وقت تک اختیار رکھتے ہیں جب تک وہ دونوں الگ نہ ہوں یا یہ کہ خود بیع ہی میں خیار کی شرط ہو- نافع کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ جب کوئی ایسی چیز خریدتے جو ان کو پسند آتی تو اس کے مالک سے جدا ہو جاتے-

وضاحت : یہ بات مسلم ہے کہ فروخت کنندہ اور خریدار دونوں کو اس وقت تک سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہونا چاہیے جب تک وہ دونوں وہیں دکان پر موجود ہوں- بعض لوگ کہتے ہیں کہ فروخت کنندہ کو اختیار نہیں ہونا چاہیے صرف خریدار کو ہونا چاہیے لیکن ان کی دلیل کچھ کمزور سی ہے- وہ یہ کہتے ہیں کہ فروخت کنندہ نے جب ایک چیز دے دی تو اپنا اختیار ساقط کر دیا- میں کہتا ہوں کہ جب خریدار نے ایک چیز لے لی تو اس نے اپنا اختیار ساقط کر دیا- اس لیے یہ موقف صحیح نہیں ہے- ہو سکتا ہے کہ بائع چیز کی قیمت بھول گیا اور ٹھیک نہیں بتائی یا کم بتا دی تو خیار ہونا چاہیے- خیار کی بھی کئی قسمیں ہیں- اصطلاحات بنا کر لوگ مشکل کر دیتے ہیں کہ یہ خیار مجلس ہے اور یہ خیار شرط ہے اور یہ فلاں قسم کا خیار ہے-

خیار مجلس یہ ہے کہ جب تک دونوں جدا نہ ہوں انھیں سودا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔
خیار شرط یہ ہے کہ کوئی شرط لگا دی، کوئی مہلت لے لی یا کوئی اور اسی طرح کی بات کر دی۔ خیار شرط ہو گا تو خیار مجلس ختم ہو جائے گا۔ اور یہ چیز کامن سنس پر مبنی ہے۔

خیار کے بارے میں جو حدیثیں آگے آئیں گی تو ان کے ذریعہ چند باتیں اور بھی معلوم ہو جائیں گی۔ وہ یہ کہ خیار کی مدت کتنی ہونی چاہیے۔ یہ مدت غیر معین تو ہو نہیں سکتی۔ شوافع اور احناف کا عام خیال یہ ہے کہ خیار کی مدت صرف ۳ دن ہے۔ لیکن ۳ دن کی مدت میں ایک بکری کے دودھ کا اندازہ تو ہو سکتا ہے مگر ایک مکان کے مناسب حال ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ بکری والی روایت کی بناء پر لوگوں نے ۳ دن کی مدت کو بہت اہمیت دی ہے۔ صحیح رائے ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ حالات کے تحت ضرورت کو دیکھ کر مدت مقرر کی جا سکتی ہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ اگر مدت کا تعین نہیں ہوا تو کیا ہو گا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیع ہو گی اور شرط منسوخ۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں ہوں گی۔ یہ بات بڑے جھگڑے کی ہے، اس لیے کہ جب تک چیز خریدار کے قبضہ میں ہے تو آخر کسی نہ کسی نوعیت کا تصرف تو اس میں کرے گا اور بعد میں خریدار نے اگر بیع منسوخ کر دی تو ممکن ہے بائع کو وہ چیز اپنی اصلی حالت میں نہ ملے۔ اس لیے میری رائے میں مجمل فیصلہ ٹھیک نہیں ہے کہ بیع منسوخ کر دی جائے گی۔ بلکہ اس معاملہ میں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو اس نکاح میں ہوتا ہے جس میں مہر معین نہیں ہوتا۔ اگر مہر معین نہیں تو مہر مثل لیتے ہیں۔ علی ھذا القیاس حالات کو دیکھ کر اور رواج کے دیکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

رہ گئی یہ بات جو ابن عمرؓ کی طرف منسوب ہے کہ ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ کوئی چیز خریدتے تو یہ بات پسند کرتے کہ خریدنے کے بعد چند قدم ہٹ جائیں تاکہ دکاندار سے مفارقت ہو جائے۔ تو یہ ابن عمرؓ کا خاص ذوق تھا۔ اس بارے میں مجھے عباسی خلیفہ کی بات پسند آئی جب اس نے امام مالک سے کہا کہ ایک فقہ آپ ایسی مرتب کیجئے جو عبداللہ ابن عمرؓ کے متشددانہ عمل اور عبداللہ بن مسعودؓ کی رخصتوں کے بیچ میں اعتدال پر ہو۔

باب کا عنوان کم یجوز الخیار جو امام صاحب نے رکھا ہے بہت مبہم سا ہے۔ اور اس

کے تحت جو روایت لائے ہیں اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خیار خریدار اور بائع کی جدائی کی مدت تک محدود ہے حالانکہ معاملہ آگے بھی جاتا ہے۔

۱۹۷۹- حدثنا حفص بن عمر حدثنا همام بن قتادہ عن ابی الخلیل عن عبدالله بن الحارث عن حکیم بن حزام رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال البیعان بالخیار مالم یفترقا- وزاد احمد حدثنا بهز قال قال همام فذکرت ذالک لابی التیاح فقال کنت مع ابی الخلیل لما حدثه عبدالله بن الحارث بهذا الحدیث-

ترجمہ: حکیم بن حزامؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے کہ بائع اور مشتری دونوں خیار رکھتے ہیں جب تک الگ الگ نہ ہو جائیں۔ اور ابی التیاح کہتے ہیں کہ میں ابو الخلیل کے پاس تھا جب عبداللہ بن حارث نے یہ حدیث بیان کی۔

وضاحت: اوپر والی روایت میں لفظ یتفرقا تھا اور یہاں یفترقا ہے۔ یہ روایت باللفظ کے باعث ہے۔ مفہوم ایک ہی ہے۔ اس روایت کی رو سے بھی بائع اور مشتری دونوں کو سودا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے اس لیے یہ بات غلط ہے کہ بائع چیز دے کر اپنا خیار ختم کر دیتا ہے۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

مولانا امین احسن اصلاحی

موطا کی کتاب الجامع کی روایات

ما جاء فی صبغ الشعر
بال رنگنے کے بارے میں

حدثنی عن مالک عن یحیی بن سعید قال: اخبرنی محمد بن ابراہیم التیمی عن ابی سلمة بن عبدالرحمن بن الاسود بن عبد یغوث قال و کان جلیسا لہم و کان ابیض اللحیة والرأس - قال فغدا علیہم ذات یوم و قد حمرھما- قال فقال لہ القوم ھذا احسن فقال ان امی عائشة زوج النبی ﷺ ارسلت الی البارحة جاریتہا نخیلة فاقسمت علی لاصبغن و اخبرتنی ان ابابکر الصدیق کان یصبغ- قال یحیی سمعت مالکا یقول فی صبغ الشعر با السوادلم اسمع فی ذالک شیئا معلوما و غیر ذالک من الصبغ احب الی قال و ترک الصبغ کلہ واسع ان شاء اللہ لیس علی الناس فی ذالک ضیق- قال و سمعت مالکا یقول فی ھذا الحدیث بیان ان رسول اللہ ﷺ لم یصبغ و لو صبغ رسول اللہ ﷺ لارسلت بذالک عائشة الی عبدالرحمن بن الاسود-

ترجمہ :- یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ مجھے محمد بن ابراہیم تیمی نے خبر دی کہ ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث ان کے پاس بیٹھنے والے تھے- ان کی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے- کہتے ہیں کہ ایک دن وہ آئے تو انھوں نے سر اور داڑھی دونوں کو سرخ رنگ میں رنگ رکھا تھا- لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ اچھا لگ رہا ہے تو انھوں نے کہا میری امی عائشہ نبی ﷺ کی اہلیہ نے کل رات کو اپنی لونڈی نخیلہ کے

ذریعے سے مجھے یہ پیغام بھیجا کہ تمھیں قسم ہے کہ اپنے بالوں کو ضرور رنگو- انھوں نے مجھے یہ بھی خبر دی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی بالوں کو رنگتے تھے- یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو کہتے سنا کہ میں نے بالوں کو سیاہ رنگنے کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں سنی- اور اس کے علاوہ جو دوسرے خضاب ہیں وہ مجھے زیادہ پسند ہیں- انھوں نے یہ بھی کہا کہ بال رنگنے سے اجتناب میں ان شاء اللہ زیادہ وسعت ہے- اس میں لوگوں کے لیے تنگی نہیں ہے- انھوں نے کہا کہ میں نے امام مالک کو یہ فرماتے سنا کہ اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالوں کو خضاب نہیں لگایا- اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو حضرت عائشہ عبدالرحمٰن بن الاسود کو اپنے پیغام میں اس بات کا حوالہ دیتیں-

وضاحت :- اس روایت سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ نے خضاب نہیں لگایا- کیونکہ حضرت عائشہؓ کو یہ بتانا چاہیے تھا کہ آنحضرتؐ نے ایسا کیا- لیکن روایات میں اختلاف ہے- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے خضاب لگایا- دوسری روایت میں ہے کہ آپ کی ٹھوڑی میں چند بال سفید تھے تو پھر آپ خضاب کہاں لگاتے- پھر یہ بات بھی ہے کہ یہ کام مذاق سلیم کے خلاف ہے- فطرت اس سے اباکرتی ہے- رسول اللہ ﷺ سے یہ بعید ہے کہ آپ نے فطرت کے خلاف کیا ہو-

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہ روایت گزر چکی ہے کہ آپ نے بڑھاپا دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وقار ہے- اب اس وقار کو جو اللہ تعالیٰ کسی کو عطا فرمائے سرخی یا سیاہی سے چھپا دینا کہاں کی عقلمندی ہے- اگر آنحضرتؐ کے متعلق یہ بات ثابت ہو کہ آپ نے خضاب لگایا تو ہو سکتا ہے کہ آپ نے خوشبو کے لیے زعفران لگایا ہو- راویوں نے اس کو یہ رنگ دے دیا- خضاب کے متعلق اگر کسی کو شوق ہو تو مہندی کا خضاب لگالے اس سے زیادہ نہیں کرنا چاہیے-

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق اگر یہ آیا ہے کہ وہ خضاب لگاتے تھے تو یہ پچھلے رواج کے مطابق ہوگا- اسلام میں اس کی کوئی ممانعت تو ہوئی نہیں- اگر وہ کرتے رہے تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں رہتا-

امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ رنگنا اور نہ رنگنا دونوں یکساں ہیں- اس معاملے میں کوئی تنگی نہیں- البتہ آنحضرتؐ نے خضاب نہیں لگایا- اگر آپ نے لگایا ہوتا تو حضرت عائشہؓ اس کا حوالہ دیتیں-

ما يؤمر به من التعوذ
تعوذ کے بارے میں کیا حکم ہے

حدثني عن مالک عن يحيىٰ بن سعيد قال: بلغني ان خالد بن الوليد قال لرسول الله ﷺ اني أروّع في منامي، فقال له رسول الله ﷺ قل اعوذ بكلمات الله التامة من غضبه و عقابه، و شر عباده، و من همزات الشياطين و ان يحضرون-

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ خالد بن ولید نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضور میں خواب میں ڈر جایا کرتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھ لیا کرو کہ میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلموں کے ذریعے اس کے غصے اور عتاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں، اس کی پناہ مانگتا ہوں-

وضاحت: یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ خالد بن ولید "سیف اللہ" ہیں- اور وہ بھی خواب میں ڈر جاتے ہیں- جب حضرت خالد بن ولید ڈر جاتے ہیں تو ہما شما کا کیا ہے- یہ حالت سب کو پیش آسکتی ہے- رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعا بتادی جو سب کو یاد کر لینی چاہیے- یہ دعا برے خوابوں کے علاوہ نظر بد کے لیے بھی ہے-

کامل کلمات سے مراد وہی ہے جو دوسری دعا کے الفاظ بکل اسم سميت به نفسک سے ظاہر ہوتی ہے- اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور شانوں کا احاطہ کر کے ان کے حوالہ سے دعا مانگنا ہوتا ہے- دعا ہمیشہ جامع الفاظ میں مانگی چاہیے- زیر بحث دعا ان الفاظ میں ہے کہ اے اللہ، تیری رحمت کے تمام سہاروں اور تیرے تمام ناموں کی برکت کے حوالے سے میں تیرے غضب سے، تیرے عتاب سے، تیرے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس آئیں، تیری پناہ مانگتا ہوں-

میرے نزدیک شیاطین کو اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں پر اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں

کہ وہ وسوسہ اندازی کر سکیں- وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے- اس لیے میں ان لوگوں کی رائے کو غلط سمجھتا ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ ساحر اپنے سحر کے ذریعہ سے یا شیطانوں کے ذریعہ سے قتل بھی کر سکتے ہیں- بیمار بھی کر سکتے ہیں، نامرد بھی بنا سکتے ہیں- قرآن مجید میں ہے کہ "ان عبادي ليس لک عليهم سلطان الا من اتبعک من الغاوين" (الحجر ۴۲)
(میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا بجز ان کے جو گمراہوں میں سے تیرے پیرو بن جائیں)
بعض لوگ شیطانی عمل کرتے ہیں تاکہ شیطانوں اور جنوں کو مسخر کریں تو وہ انہی کے بھائی بند ہوتے ہیں- بعض مرتبہ شیطانوں کا داؤ چل جاتا ہے تو وہ ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں- نیک لوگوں یعنی موحدین پر ان کا صرف اتنا ہی اثر ہو سکتا ہے کہ وہ وسوسہ اندازی کریں-

حدثني عن مالک عن يحيى بن سعيد انه قال: اسري برسول الله ﷺ فراى عفريتا من الجن يطلبه بشعلة من نار كلما التفت رسول الله ﷺ رآه، فقال له جبريل افلا اعلمک كلمات تقولهن اذا قلتهن طفئت شعلته و خر لفيه؟ فقال رسول الله ﷺ بلى فقال جبريل فقل اعوذ بوجه الله الكريم و لكلمات الله التامات التي لا يجاوزهن بر ولا فاجر من شر ما ينزل من السماء، و شر ما يعرج فيها، و شر ما ذرأ في الارض، و شر ما يخرج منها، و من فتن الليل والنهار، و من طوارق الليل والنهار الا طارق يطرق بخير يا رحمن-

ترجمہ: یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو ایک رات لے جایا گیا تو آپ نے دیکھا کہ جنوں کا ایک بھوت آپ کا آگ کے شعلے کے ساتھ پیچھا کر رہا ہے- جب جب رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوتے آپؐ اس کو دیکھتے تو جبریل نے کہا کہ آپ کو ایسے کلمات نہ سکھادوں کہ وہ آپ پڑھیں تو اس کا شعلہ بجھ جائے اور وہ اپنے منہ کے بل گر پڑے- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں ضرور سکھایئے تو جبریل نے کہا پڑھیے، میں اللہ کریم کے چہرے اور اس کے ان کامل کلمات کے سہارے کی جن سے آگے نہیں جا سکتا نہ کوئی نیک نہ بد، ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو آسمان سے اترتی ہے اور اس چیز کے شر سے جو آسمان میں چڑھتی ہے، ہر اس چیز کے شر سے جو زمین میں پیدا ہوتی ہے اور اس

چیز کے شر سے جو اس سے نکلتی ہے اور رات اور دن کے فتنوں سے اور رات اور دن کے طوارق سے جو رات یا دن کو اچانک نمودار ہوں سوائے طارق خیر سے، اے رحمٰن۔

وضاحت: یہ روایت مرسل ہے اس لیے نفس واقعہ پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

طارق، جس کی جمع طوارق ہے، کے معنی رات میں آنے والے کے ہیں اور یہ آنے والے اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔

جہاں تک دعا کا تعلق ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح کی دعائیں نبی ﷺ کے راویوں کے لیے ٹھیک ٹھیک یاد رکھنا آسان نہیں ہے۔ میرے نزدیک تعوذ کی بہت ہی جامع اور بلیغ ترین دعائیں قرآن مجید کی آخری دو سورتیں ہے۔ وہ اتنی جامع ہیں کہ کلمات اللہ التامہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں تو یہی کرتا ہوں کہ آیۃ الکرسی، قل ھو اللہ اور معوذتین پڑھنے کے بعد سونے کی دعا پڑھ کر سو جاتا ہوں۔ باقی اگر کسی کو یہ دعا یاد رہ جائے تو فبہا۔

حدثنی عن مالک عن سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرة ان رجلا من اسلم قال ما نمت هذ اللیلة، فقال له رسول الله ﷺ من ای شئی؟ فقال لدغتنی عقرب فقال له رسول الله ﷺ اما انک لوقلت حین امسیت اعوذ بکلمات الله التامات من شر ما خلق لم تضرك۔

ترجمہ: ...... ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اسلم قبیلے کے ایک شخص نے کہا میں آج رات بھر نہیں سویا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اس کا سبب کیا تھا؟ اس نے کہا کہ مجھے بچھو نے ڈنک مارا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم شام کو سوتے وقت یہ کہتے کہ میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ مانگتا ہوں اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی تو تم کو تکلیف نہ ہوتی۔

وضاحت: یہ سونے کے وقت کی دعا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے حوالے سے ہر چیز کے شر سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے۔ مختصر اور جامع دعا ہے۔ یاد کر لینی چاہیے۔

حدثنی عن مالک عن سمی مولی ابی بکر عن القعقاع بن حکیم ان کعب الاحبار قال: لو لا کلمات اقولهن لجعلتنی یهود حمارا، فقیل له و

ما هن؟ فقال اعوذ بوجه الله العظیم الذی لیس شئی اعظم منه، وبکلمات الله التامات التی لا یجاوزهن بر و لا فاجر، و باسماء الله الحسنیٰ کلها ما علمت منها و مالم اعلم من شر ما خلق و ذرا و برأ۔

ترجمہ: ...... قعقاع بن حکیم سے روایت ہے کہ کعب احبار نے کہا کہ اگر میں کچھ کلمات نہ پڑھتا ہوتا تو یہود تو مجھے گدھا بنا چھوڑتے۔ پوچھا گیا وہ کلمات کیا ہیں تو انہوں نے کہا، میں پناہ مانگتا ہوں اللہ عظیم کی ذات کی جس سے کوئی بڑا نہیں اور اللہ کے کامل کلمات کی کہ جن سے آگے نہ کوئی نیک جاسکتا ہے نہ بد۔ اور اللہ کے اچھے ناموں میں سے جو میں جانتا ہوں اور جو نہیں جانتا اس شر سے جو اللہ نے پیدا کیا اور پھیلایا۔

وضاحت: کعب احبار جو یہ کہتے ہیں کہ یہود مجھے گدھا بنا چھوڑتے تو یہ اشارہ ان کے جادو کے افعال کی طرف ہے۔ اس بارے میں میں اپنا نقطہ نظر قرآن مجید کی روشنی میں اوپر خالد بن ولیدؓ والی روایت کے تحت بیان کر چکا ہوں۔

کعب احبار کی اس دعا میں وہ بات نہیں جو نبی ﷺ سے سونے کے وقت اور اٹھنے کے وقت کی ماثور دعاؤں میں ہے۔ وہ ایسی ہیں کہ ان کے پڑھنے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کے سوا ان کے کلام سے زیادہ بلیغ کلام کوئی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر جانب سے گھیر لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ کی یہ دعا دیکھیں کتنی جامع اور مؤثر ہے:

اللهم انی عبدك ابن عبدك ابن امتک ناصیتی بیدك ماض فی حکمک عدل فی قضاءك اسئلک بکل اسم هو لک سمیت به نفسک او انزلته فی کتابک او اعلمته احدا من خلقک ان تجعل القرآن ربیع قلبی و نور صدری و جلاء حزنی و ذهاب همی وغمی

(اے اللہ میں تیرا بندہ، تیرے غلام کا بیٹا، تیری لونڈی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیری گرفت میں ہے۔ میرے بارے میں تیرا حکم ناطق ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ عدل پر مبنی ہے۔ میں سوال کرتا ہوں ہر اس نام سے جو تیرا ہے، جو تو نے اپنی ذات کا رکھا ہے یا اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی مخلوق میں کسی کو

اس کا علم دیا ہے کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور، میرے دکھ کا مداوا اور میری پریشانی اور غم کا علاج بنا دے۔)

ماجاء فی المتحابین فی الله

ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں

حدثنی عن مالک عن عبدالله بن عبدالرحمن بن معمر عن ابی الحباب سعید بن یسار عن ابی هریرة انه قال قال رسول الله ﷺ ان الله تبارك و تعالی یقول یوم القیامة این المتحابون بجلا لی الیوم اظلهم فی ظلی یوم لاظل الا ظلی۔

ترجمہ :...... سعید بن یسار حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو محض میرے جلال کے اندیشے سے آپس میں محبت کرتے تھے۔ آج میں ان کو اپنے سائے میں لوں گا جس دن کہ میرے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔

وضاحت : میرے خیال میں اس روایت کا مفہوم اور اگلی روایت کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اس کے تحت دیکھیں۔

حدثنی عن مالک عن خبیب بن عبدالرحمن الانصاری عن حفص بن عاصم عن ابی سعید الخدری او عن ابی هریرة انه قال قال رسول الله ﷺ سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لاظل الا ظله، امام عادل، و شاب نشأ فی عبادة الله عزوجل و رجل قلبه معلق بالمسجد اذا خرج منه حتی یعود الیه و رجلان تتحابا فی الله اجتمعا علی ذالک و تفرقا و رجل ذکرالله خالیا ففاضت عیناه، و رجل دعته ذات حسب و جمال فقال انی

اخاف الله وو رجل تصدق بصدقة فاخفا ها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه۔

ترجمہ :...... ابو سعید خدری یا ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات قسم کے آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ خاص اپنے سائے میں لے گا اس دن جب اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔ ایک تو عادل حکمران، دوسرا وہ نوجوان جس کی اٹھان اللہ عزوجل کی عبادت میں ہوئی، تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے جب مسجد سے نکلے، اس وقت تک جب کہ لوٹ نہ آئے، چوتھے وہ دو شخص جو اللہ کے لیے محبت کرنے والے ہوتے ہیں، اللہ کے لیے جمع ہوتے ہیں اور اسی کے لیے جدا ہوتے ہیں۔ پانچواں وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے تو اس کے آنسو نکل پڑیں۔ چھٹا وہ شخص جس کو کوئی نسب و جمال والی عورت دعوت عشق دے اور وہ کے فی فی میں اپنے رب سے ڈرتا ہوں۔ اور ساتواں وہ شخص جو صدقہ دے اتنے خفیہ طریقے سے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ اس کے دائیں نے کیا خرچ کیا۔

وضاحت : اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔ یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں ہے۔ اس روایت کا ایک ایک لفظ لعل و گوہر سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ جن سات قسم کے آدمیوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا عمل ان کی سلیم فطرت، اللہ کے خوف اور تقویٰ اور حقیقی جذبہ خیر کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔ نیکی ان کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوتی ہے اور وہ عارضی طور پر یہ کام نہیں کر رہے ہوتے ہیں۔ اب دیکھیے وہ خوش بخت لوگ جن کی قدر افزائی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا کون ہیں :

(i) اقتدار میں آ کر آدمی جب ہر سیاہ و سفید کا مالک بن جاتا ہے تو اپنی قوت کے نشہ میں من مانیاں کرنے لگتا ہے۔ اپنوں کو نوازتا اور مخالفوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیتا ہے۔ اس وقت عدل کرنا بے حد مشکل کام ہوتا ہے۔ لیکن جو حکمران عدل کے ساتھ حکومت کر جائے تو گویا اس نے ایک بڑی آزمائش میں کامیابی حاصل کر لی۔ آخرت میں اللہ کی رحمت اس پر سایہ فگن ہوگی۔

(ii) ایک نوجوان جس کی اٹھان اللہ کی عبادت میں ہوئی ہو تو ظاہر ہے کہ پختہ عمر ہونے پر اس کے عمل

میں مزید پختگی آئے گی اور وہ مجسم نیکی بن جائے گا۔

(iii) وہ شخص جو مسجد سے نکلا لیکن دل اس کا مسجد کے ساتھ اٹکا ہوا ہے کہ کب یہاں لوٹنا نصیب ہو یعنی اس کا مسجد سے نکلنا ایسا ہو جیسے اصل مامن سے نکلنا ہوتا ہے۔ بندہ مومن کا اصل مامن مسجد ہی ہے اور اس کا دل وہیں اٹکا رہتا ہے۔

(iv) وہ دو شخص جو للہ فی اللہ محبت کرتے ہیں، کوئی دنیاوی غرض وابستہ نہیں، کسی کاروبار میں شراکت نہیں، شادی بیاہ نہیں کرنا، قرض نہیں لینا، اپنے کسی مقصد کے لیے بے وقوف نہیں بنانا۔ بس ہر ایک کی یہ سوچ ہو کہ بہت نیک آدمی ہے۔ اس کے پاس بیٹھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی یاد آجاتی ہے اس طرح وہ دونوں اللہ کے لیے اکٹھے ہوں، جب ملیں تو اسی مقصد کے لیے کہ اللہ کو یاد کریں اور جب جدا ہوں تو کسی نیکی کے مقصد کو پورا کریں۔

(v) اللہ کو یاد کر کے اس کے خوف سے اور اپنی کوتاہیوں پر نظر کر کے آدمی کے آنسو نکل پڑیں تو یہ بڑا مقام ہے۔ ہما شما کو یہ کہاں حاصل!

(vi) پاک دامنی کی یہ اعلیٰ مثال حضرت یوسف علیہ السلام نے قائم کی۔ یہ مشکل مقام بھی ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے۔

(vii) صدقہ کرنے میں جس قدر اخفا ممکن ہو کرنا چاہیے۔ یہ ممکن تو نہیں کہ ایک ہاتھ کا دیا دوسرے ہاتھ کو معلوم نہ ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اس کا چرچا نہ ہو۔ لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے دے۔ آج کل کی طرح نہیں کہ آٹا بانٹتے ہیں یا چیک تقسیم کرتے ہیں تو فوٹو کھنچوانے کے لیے۔

لیکن اس روایت کے ساتھ ایک آفت یہ لگی ہوئی ہے کہ کتنی روایتوں میں سات کا عدد آیا ہے لیکن تفصیل کسی میں کچھ اور کسی میں کچھ اور ہے۔ اس سے اطمینان قلب چھن جاتا ہے کہ معلوم نہیں کون سا بیان صحیح ہے۔ اسی طرح بعض روایتوں میں یہ اشخاص دس تک ہیں اور بعض میں چودہ پندرہ تک تعداد چلی گئی ہے۔ میرے خیال میں راوی حضرات نے معنی کے لحاظ سے اس کو ادا کیا ہو گا۔ بعد میں ان کو کچھ باتیں معلوم ہوئیں لیکن ان کو اس روایت میں یہ عمل ملا نہیں تو انھوں نے از خود اس کو ٹھونس دیا۔

اس لیے اگر معنی کا اشتراک ہو تو آپ اس عمل کو لے سکتے ہیں۔ چونکہ یہ روایت بخاری اور مسلم میں ہے تو اس کو ترجیح دیجیے۔

حدثنی عن مالک عن سهيل بن ابی صالح عن ابيه عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال: اذا احب الله العبد قال لجبريل قد احببت فلانا فاحبه فيحبه جبريل ثم ينادی فی اهل السماء ان الله قد احب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السماء ثم يوضع له القبول فی الارض، و اذا ابغض الله العبد، قال مالک: لا احسبه الا انه قال فی البغض مثل ذالک۔

ترجمہ: ...... سہیل بن ابی صالح اپنے باپ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے کہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو تو جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ آسمان والوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بندے کو محبوب بنالیا ہے تو اے آسمان والو تم بھی اس سے محبت کرو تو وہ بھی محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کے لیے ساری زمین میں حسن قبول پھیلا دیا جاتا ہے تو سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور جب اللہ کسی بندے پر غضبناک ہو تو مالک کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غضب کے سلسلے میں بھی ایسے ہی فرمایا۔

وضاحت: کیا اس روایت سے یہ بات نکلتی ہے کہ جن لوگوں کو دنیا میں حسن قبول حاصل ہوتا ہے وہ حضرت جبریل کی منادی سے ہوتا ہے؟ تو آج کل جو مقبولیت اداکاروں اور کرکٹرز کو حاصل ہے کیا اس کو کوئی تعلق جبریل کی منادی سے ہے۔ بالکل کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو شیطان کی منادی ہے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو ان کے لیے آسمان میں بھی منادی ہوتی ہے اور زمین میں بھی۔ ظاہر ہے کہ یہ منادی صرف انھی کے لیے ہو گی جو للہ فی اللہ محبت کرتے ہیں۔ ہر ایرے غیرے کے لیے نہیں ہو گی۔ ان کے لیے اس منادی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں میں ان کے لیے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر وہ زمین میں تھوڑے ہیں باقی سب شیطان کی ذریت ہے تو صرف انھی تھوڑے بندوں کے اندر ان کے لیے محبت پیدا ہو گی جو اللہ سے محبت کرتے ہیں، اور وہ تھوڑے ہی

ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات ہوتی ضرور ہے۔ اگر ان کے زمانے میں نیک بندے کم ہیں تو صرف انہی کے اندر ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو تاریخ میں ان کا نام روشن رہے گا اور اللہ کے نیک بندے ان سے محبت کریں گے۔ اس کی مثال اصحاب کہف ہیں۔ ان کے زمانہ کے لوگوں نے ان کو قتل کرنے کی دھمکی دی تو وہ غار میں جا کر چھپ گئے۔ وہاں ان پر نیند طاری ہو گئی۔ عرصہ دراز کے بعد آنکھ اس وقت کھلی جب زمانہ بدل گیا اور دینی انقلاب آ گیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ جن کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی گئی تھی لوگوں کے درمیان ان کی یادگار تعمیر کرنے پر جھگڑا شروع ہو گیا۔

حضرت ابراہیمؑ کے لیے لسان صدق علیا یعنی دائمی شہرت کا جو ذکر ہے وہ ان کے اپنے زمانے میں تو نہ تھی، اگرچہ منادی تو جبریلؑ نے اس زمانے میں بھی کی ہوگی۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو قبول ان کو حاصل ہوا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ دنیا کے تمام بڑے خاندان اور قومیں ان کی کلمہ گو ہیں۔ لہذا میرے نزدیک یہ منادی ضرور ہوتی ہے لیکن یہ صرف اللہ کے نیک بندوں کے لیے ہوتی ہے۔ گویوں، کھلاڑیوں، سیاست دانوں کی شہرت اس سے الگ ہے۔ اس کا تعلق شیطان کی منادی اور ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کی برکات سے ہے۔ پھر جبریل کی منادی کا اثر بھی نیک بندوں ہی پر ہوتا ہے اور اس کے لیے زمانہ کی کوئی قید نہیں۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اللہ کی محبت کی بات تو درست ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی سے غضب کرتا ہے تو کیا ہوگا۔ ان کا خیال ہے کہ بغض کے بارے میں بھی یہی ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں اس بندے سے نفرت کرتا ہوں تم آسمان میں منادی کر دو۔ لیکن یہ الفاظ روایت میں نہیں ہیں۔ مجھے امام صاحب کی اس رائے سے اختلاف ہے۔ یہ دونوں باتیں متوازی نہیں ہیں۔ اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔ اسی وجہ سے یہ الفاظ روایت میں نہیں ہیں۔

حدثنی عن مالک عن ابی حازم بن دینار عن ابی ادریس الخولانی انه قال: دخلت مسجد دمشق فاذا فتی شاب براق الثنایا، و اذا الناس معه اذا اختلفوا فی شئی اسندوا الیه و صدروا عن قوله فسألت عنه فقیل هذا معاذ بن جبل، فلما کان الغد هجرت فوجدته قد سبقنی بالتهجیر

و وجدته یصلی، قال: فانتظرته حتی قضی صلاته ثم جئته من قبل وجهه فسلمت علیه ثم قلت والله انی لاحبک لله، فقال آلله، فقلت آلله، فقال آلله، فقلت آلله، فقال آلله، فقلت آلله، قال فاخذ بحبوة ردائی فجبذنی الیه و قال: ابشر فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول قال الله تبارك و تعالی: وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی، والمتزورین فی، والمتباذلین فی۔

ترجمہ: ابو ادریس خولانی کہتے ہیں کہ میں مسجد دمشق میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان چمکتے دانتوں والا (یعنی ہنس مکھ) ہے۔ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب کسی معاملہ میں بحث پیدا ہوتی ہے تو سب اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کی بات سن کر مطمئن لوٹتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون حضرت ہیں، تو بتایا گیا کہ یہ معاذ بن جبل ہیں۔ جب دوسرا دن ہوا تو میں صبح جلدی مسجد میں چلا گیا تو دیکھا کہ وہ مجھ سے بھی پہلے پہنچے ہوئے ہیں۔ اور میں نے ان کو نماز پڑھتے پایا۔ میں نے انتظار کیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنی نماز پوری کی۔ میں نے ان کے آگے سے ہو کر ان کو سلام کیا۔ پھر میں نے عرض کی کہ خدا کی قسم، میں آپ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ تو انہوں نے کہا کیا اللہ کے لیے، تو میں نے کہا کہ اللہ کے لیے۔ تو انہوں نے کہا کیا اللہ کے لیے؟ میں نے کہا کہ اللہ کے لیے۔ انہوں نے کہا کیا اللہ کے لیے؟ میں نے کہا کہ اللہ کے لیے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے میری چادر کا کونہ پکڑ لیا اور کھینچا اپنی طرف اور کہا کہ بشارت حاصل کرو کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے فرماتے سنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے کہ جو میری خاطر محبت کرنے والے ہیں، میری خاطر مل کر بیٹھنے والے ہیں، میری خاطر زیارت کرنے والے اور میری خاطر انفاق کرنے والے ہیں۔

وضاحت: یہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایک دوسرے آدمی نے ان سے نقل کیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے کہ میں ان سے ضرور محبت کرتا ہوں جو میری خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں، تو یہ بہت اونچا درجہ ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن فی زمانہ للہ فی اللہ محبت کا وجود بہت ہی شاذ ہے۔

حدثنی عن مالک انه بلغه عن عبدالله بن عباس انه کان یقول:
القصد و التؤدة و حسن السمت جزء من خمسة و عشرین جزأ من النبوة

ترجمہ :...... امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات عبداللہ بن عباسؓ سے پہنچی ہے کہ میانہ روی، سنجیدگی اور خوش سلیقگی نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

وضاحت : نبوت کے جو مدارج اور خصائص ہیں وہ گویا پچیس ہیں۔ ان میں ایک جزو کا ذکر یہاں ہے اور اس کا تمام تر تعلق انسان کے ظاہری اوصاف سے ہے۔ یعنی حسن کردار، خوش مزاجی، سنجیدگی، میانہ روی ہونی چاہیے۔ گویا ہر چیز میں اعتدال ہونا چاہیے۔ کپڑا پہننے میں بھی سلیقہ ہو اور داڑھی رکھنے میں بھی سلیقہ، ٹوپی پہننے میں اور تہمد باندھنے میں بھی سلیقہ ہو، گویا ہر چیز سلیقے سے ہونی چاہیے۔ دین دار آدمی کو بے ہنگم نہیں ہونا چاہیے۔ اوپر ایک روایت گزری ہے کہ نبی ﷺ نے الجھے ہوئے بالوں والے ایک شخص کو جو مسجد میں آیا تھا واپس جانے کے لیے کہا کہ جا کر پہلے اپنی حالت درست کرے، پھر مسجد میں آئے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق تو معلوم ہے کہ کھانے پینے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، چلنے پھرنے میں، ہر چیز میں بہترین مظہر کے پیکر تھے۔ موجودہ زمانہ میں یہ ہے کہ اس میں تہذیب کے آداب مسجد کے آداب سے بھی زیادہ ہیں۔ دین کے آداب میں اتنی شدت نہیں جتنی ان لوگوں کے خود ساختہ آداب میں پائی جاتی ہے۔ لیکن کبھی ان کے ساتھ بیٹھیں تو ان کی پھکڑ بازی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے یہ شریفانہ آداب کے بالکل خلاف ہے۔ ان کا لباس بھی (خواہ عورتوں کا ہو یا مردوں کا) تہذیب اور شرافت دونوں کے لحاظ سے نہایت بد تمیز ہوتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خوش سلیقگی اور چیز ہے اور ٹھاٹھ باٹھ بالکل دوسری چیز۔ ٹھاٹھ باٹھ سے ہمیں منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ چیز تکبر پیدا کرتی ہے، اور تکبر شیطان کی صفت ہے۔

(ترتیب : سعید احمد)

خالد مسعود

آنحضرت ﷺ کے خلاف یہود کی ریشہ دوانیاں (۲)

قرآن کے احکام پر اعتراضات :

یہود اسلام کی مخالفت میں اس قدر اندھے ہو گئے تھے کہ قرآن میں جو احکام نازل ہوتے یا سابقہ شریعت میں کچھ اصلاحات کی جاتیں یا مسلمانوں کو نیکی پر ابھارنے کے لیے نصیحت کا کوئی اسلوب اختیار کیا جاتا تو وہ ان چیزوں میں اعتراض کے لیے نکات پیدا کر لیتے اور ان کو فتنہ انگیزی کا ذریعہ بناتے۔ اس سلسلہ کی بعض نمایاں مثالیں حسب ذیل ہیں :-

۱- حدث اور جنابت کی حالتوں میں پانی میسر نہ آنے کی صورتوں میں اسلام نے تیمم کی اجازت دی۔ اس کو یہود نے اپنی شریعت کے تشددات کے خلاف پایا تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ بھلا جو مذہب جنابت جیسی ناپاکی کی حالت میں زمین پر ہاتھ مار کر نماز تک پڑھ لینے کی اجازت دیتا ہو وہ بھی کوئی خدائی مذہب ہو سکتا ہے ؟! اس سے زیادہ اچھا مذہب تو بت پرستوں کا ہے جو مسلمانوں پر ترجیح دیے جانے کے قابل ہیں۔

۲- سورہ نساء میں معاشرہ کے کمزور طبقات مثلاً یتیموں، عورتوں اور کمزوروں کے حقوق متعین فرمائے گئے اور معاشرہ کے طاقتور عناصر کے ظلم و زیادتی کی راہیں قانون سازی کے ذریعے مسدود کی گئیں تو یہود نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف طوفان بد تمیزی کھڑا کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ معاشرہ میں ان اصلاحات کے نافذ ہونے کے بعد یہود کی بے لگام آزادیوں اور بے قید شہوت پرستیوں پر بھی ان کی زد پڑتی تھی۔ یہود کی پوری کوشش یہ رہی کہ وہ ان اصلاحات کو ناکام بنا دیں اور خلق خدا کو پھر اسی تاریکی کے گڑھے میں دھکیل دیں جس سے نجات دینے کے لیے اسلام نے یہ روشنی دکھائی تھی۔

۳- رسول اللہ ﷺ کو نماز کی ادائیگی کا حکم مکہ میں ملا تھا۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جن معاملات میں وحی کے ذریعہ وضاحت نہ کر دی جاتی آپ اہل کتاب کے طریقہ کو اختیار فرماتے۔ چونکہ اس وقت نماز میں

قبلہ رو ہونے کے لیے قبلہ کا تعین نہ کیا گیا اس لیے آپ نے اہل کتاب کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے بیت المقدس کا رخ اختیار کر لیا۔ بعد میں قرآن مجید میں یہ وضاحت نازل ہوئی کہ اسلام میں ملت ابراہیم کے طریقے اختیار کیے جائیں گے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام حقیقی توحید پر کاربند رہے جبکہ اہل کتاب نے ان کے طریقہ سے ہٹ کر اپنے دین کو مسخ کر لیا۔ اس وضاحت کی روشنی میں آنحضرت ﷺ منتظر رہے کہ کب ابراہیمی قبلہ کا تعین کیا جاتا ہے اور نمازوں میں اس کی طرف رخ کرنے کا حکم ملتا ہے۔ یہ حکم مکہ کے قیام کے دوران میں نہ آیا یہاں تک کہ مدینہ کو ہجرت ہو گئی۔ آپ نے مدینہ منورہ میں بھی نمازوں کے لیے قبلہ بیت المقدس ہی کو بنائے رکھا۔ اس عمل میں یہود کے لیے ایک گونہ تسلی کا پہلو بھی تھا کہ نیا دین انہی کے قبلہ کو اختیار کرنے کے بعد انہی کا ایک فرقہ معلوم ہوتا ہے۔ ہجرت کے سترھویں ماہ تحویل قبلہ کا حکم ہوا اور مسلمانوں کو سفر و حضر میں خانہ کعبہ اور مسجد حرام کی جانب رخ کرنے کی ہدایت دی گئی تو یہ چیز یہود کو مخالفت پر اکسانے کا بہانہ بن گئی۔ انہوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ مسلمان بھی کیا عجیب لوگ ہیں کہ بیٹھے بٹھائے انہوں نے اپنے قبلہ ہی سے منہ پھیر لیا۔ گویا ان لوگوں کا دین و مذہب بھی آئے دن تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یہود کا یہ پروپیگنڈا اس کے باوجود تھا کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول اللہ کی بعثت جب ملت ابراہیم پر ہوئی ہے تو لازم ہے کہ ان کے لیے قبلہ بھی وہی مقرر ہو جس کو حضرت ابراہیم نے مرکز توحید کے طور پر اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا اور ان کی نسل کی ایک بڑی شاخ اسی کو قبلہ مانتی چلی آ رہی ہے۔

۴۔ مشرکین مکہ نے رسول اللہ کی ہجرت کے بعد اسلام کی بیخ کنی کے لیے مدینہ پر پے در پے حملے شروع کیے تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مقابلہ کے لیے بھرپور تیاری کریں اور اس پر مال خرچ کرنے سے بالکل دریغ نہ کریں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی اس دعوت کے لیے قرآن مجید نے یہ مؤثر اسلوب اختیار کیا کہ کون ہے جو آج اللہ کو قرض حسن دے تاکہ وہ کل اس کو بڑھا چڑھا کر عظیم صلہ کی صورت میں لوٹائے۔ یہود نے اس دعوت انفاق کا بھی مذاق اڑایا۔ وہ کہتے کہ مسلمانوں کے اللہ میاں غریب اور ہم بندے امیر ہیں۔ ان کا ہاتھ آج کل بہت تنگ ہے اور غربت اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ وہ بندوں سے قرض مانگنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ نبی ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت میں اس خدا ناشناس گروہ کو

اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی کرنے میں بھی کوئی باک نہیں تھا۔

تحریف :

یہود شروع ہی سے اپنے آسمانی صحیفوں کی حفاظت کے معاملہ میں نااہل ثابت ہوئے۔ عام لوگوں سے ان کی تعلیمات یا اصل کتاب کو چھپانا ان کے مذہبی لیڈروں کی سرشت میں تھا۔ جس چیز کو وہ اپنے مفاد کے خلاف پاتے نہایت آسانی سے اس میں لفظی تحریف کر کے اس کا مفہوم کچھ سے کچھ کر دیتے۔ ان کی تاریخ بتاتی ہے کہ اصل تورات مسیح علیہ السلام کی آمد سے صدیوں پہلے گم ہو چکی تھی۔ جب اسے دوبارہ مرتب کیا گیا تو جہاں اس کی بہت سی تعلیمات یادداشت ہی سے محو ہو گئیں وہیں مرتب ہونے والے حصے بھی اصل الفاظ میں محفوظ نہ رہ سکے۔ اس نئی ترتیب پر بھی یہ حادثہ گزرا کہ عبرانی زبان کے کم استعمال کے نتیجہ میں صحف آسمانی دوسری زبانوں میں تراجم کی صورت میں تبدیل ہو گئے۔ یہ تمیز کرنا مشکل ہو گیا کہ ان میں اصل کتاب کس قدر محفوظ رہی ہے اور اس میں جامعین اور مرتبین کی کتنی حاشیہ آرائی شامل ہو چکی ہے۔

ایک قوم جب خوف خدا سے خالی ہو جائے تو اس کے دلوں کی زندگی بھی قائم نہیں رہتی اور دل پتھر ہو کر خشیت الٰہی کی نشوونما کے لیے بالکل بنجر ہو جاتے ہیں۔ اس صورت حال میں وہ قوم اگر کسی میثاق الٰہی کی حامل ہوتی ہے تو وہ اس کی خلاف ورزی پر بھی جری ہو جاتی ہے۔ جب ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس میثاق کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کے لیے اس کے الفاظ و کلمات میں تحریف کرنے لگتی ہے۔ یہود کی قساوت قلبی کا ذکر قرآن مجید نے نمایاں طور پر کیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ گروہ حقائق کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی اپنے اپنے مفادات کے لیے اللہ کے احکام پر تحریف کی قینچی چلانے سے نہیں چوکتا۔ یہ الفاظ و کلمات کو اس کے موقع و محل سے ایسی مہارت کے ساتھ ہٹاتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں حکم کا مقصد ہی فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ جہاں تک قرآن کا تعلق تھا، چونکہ یہ یہود کی دسترس میں نہ تھا اس لیے وہ اس کے احکام میں الٹ پھیر کے لیے منافقین کو آلہ کار بناتے اور کوشش کرتے کہ اس کی تعلیمات اپنی پوری قوت کے ساتھ عوام کے سامنے نہ آ سکیں بلکہ ان کے بارے میں کچھ شکوک اور اعتراضات بھی پھیلا دیے جائیں تاکہ لوگوں کا ایمان خراب ہو۔

آتشیں قربانی کے معجزہ کا مطالبہ :

یہود کے صحیفوں میں ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ جب ان ان صفات کا حامل پیغمبر خدا کا آخری اور کامل صحیفہ لے کر آئے تو تم اس پر ایمان لانا، اس کی پیروی کرنا، اس کی مدد کرنا اور اس کے لائے ہوئے حق کی گواہی دینا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد یہود نے ان کی ذات میں اس موعود پیغمبر اور ان کے لائے ہوئے حق کو پہچان لیا لیکن ان کے حوالہ سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب ان کو خداوند سے باندھا ہوا عہد یاد دلایا جاتا تو وہ یہ جواب دیتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت ہے کہ ہم کسی شخص کے دعوائے رسالت کی اس وقت تک تصدیق نہ کریں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جس کی قبولیت کی نشانی کے طور پر آسمان سے آگ اتر کر اسے کھا نہ لے۔ یہود یہ بات محض شرارت کے لیے کہتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے صحیفوں میں یہ معجزہ نبوت کے شرائط و لوازم میں بیان نہیں ہوا کہ جب تک کوئی نبی یہ معجزہ نہ دکھائے اس کا دعوائے نبوت ہی قابل توجہ نہ سمجھا جائے۔ کتاب سلاطین ۱۸ : ۷ ۳ اور تواریخ ۷ : ۱ میں ایلیاہ نبی اور سلیمانؑ سے اس معجزہ کے صادر ہونے کا ذکر ہوا ہے لیکن یہ بطور لوازم نبوت کے بیان نہیں ہوا۔ اس لیے نبی ﷺ کے معاملہ میں یہود کا اس معجزہ کے دیکھنے پر اصرار محض آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے سے گریز کی راہ اختیار کرنے کے لیے تھا۔

شرارت سے آنحضرتؐ کی ثالثی قبول کرنا :

میثاق مدینہ کی تحریر کے بعد چونکہ نبی ﷺ کی پوزیشن ایسی ہو چکی تھی کہ فیصلہ کے لیے مقدمات آپ کے پاس لائے جاتے اور اوس و خزرج آپ کے فیصلہ کو ماننے کے پابند تھے۔ پھر اس میثاق کا اطلاق اوس و خزرج کے یہودیوں پر بھی ہوتا تھا جنہیں اپنے دینی معاملات میں کسی قدر آزادی بھی حاصل تھی۔ اس صورت حال میں یہود اپنی مفاد پرستی کی نفسیات کے تحت یہ حرکت کرنے لگے کہ وہ اپنے مقدمات کے فیصلہ کے لیے پہلے یہ دیکھتے کہ آیا ان کو یہود کی عدالتوں میں جانا مفید رہے گا یا رسول اللہؐ کی عدالت میں۔ وہ قضیہ کو آنحضرتؐ کے سامنے اس طرح پیش کرتے کہ اگر فیصلہ ان کے حق میں ہونے والا ہو تو قبول کر لیں اور اگر ان کے خلاف ہونے کا امکان ہو تو دامن چھڑا کر یہود کے مفتیوں کے ہاں چلے جائیں جہاں وہ رشوت دے دلا کر اپنے حق میں فیصلے بآسانی لے سکتے تھے۔ اس طرح کے مقدمات میں یہود کی

کوئی نہ کوئی فاسد غرض پوشیدہ ہوتی اور حضورؐ کے خلاف سیاسی فائدہ اٹھانا بھی مطلوب ہوتا۔

طبری نے ایک روایت یوں بیان کی ہے کہ یہود ایک بااثر زانی اور زانیہ کو زنا کی کڑی سزا سے بچانا چاہتے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہ مقدمہ محمد ﷺ کے پاس بھیجا جائے کہ وہ ان کے بارے میں حکم لگائیں۔ لیکن یہ احتیاط کی جائے کہ اگر تو وہ ان کے منہ کالے کر کے گدھے پر بٹھانے یا کوڑے لگانے کا حکم دیں تو اس پر عمل کیا جائے لیکن اگر وہ رجم کی سزا تجویز کریں تو اپنے آدمیوں کو ان کے حوالہ نہ کرنا۔ چنانچہ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور فیصلہ چاہا۔ آپ اٹھے اور یہود کی دینی درس گاہ مدراش میں جا پہنچے۔ وہاں موجود علماء سے آپ نے سوال کیا کہ تمہارے اندر سب سے بڑا عالم کون ہے۔ لوگوں نے ابن صوریا کو آگے کیا۔ آپ نے اس کو اللہ کی قسم دے کر پوچھا کہ کیا زنا کی سزا کا وہ حکم تمہیں معلوم ہے جو تورات میں ہے تو اس نے اثبات میں جواب دیا اور بتایا کہ ہمارے ہاں ایسے مجرموں کو سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے یہی سزا زنا کے ان مجرموں کو سنائی۔

دوسری روایت میں ابن صوریا نے یہ وضاحت بھی کی کہ اگر آپ مجھ سے اللہ کی قسم کے ساتھ یہ سوال نہ کرتے تو آپ کو کبھی یہ نہ بتاتا کہ ہماری کتابوں میں زنا کی سزا رجم ہے۔ ہوا یوں کہ ہمارے اشراف جب کثرت سے اس جرم کا ارتکاب کرنے لگے تو سزا کا نفاذ صرف کمزوروں پر ہونے لگا۔ پھر علماء نے سوچا کہ جائے اس کے کہ اشراف کو کھلی چھٹی دے دی جائے، کیوں نہ ایسے مجرموں کے منہ پر کالک مل کر انہیں گدھے پر بٹھا کر رسوا کیا جائے یا کچھ کوڑے لگائے جائیں۔

اسی طرح کا ایک قضیہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے درمیان پیدا ہوا۔ ان دونوں قبیلوں میں چشمک تھی۔ بنو نضیر اپنے خاندان کو زیادہ اشرف قرار دیتے اور بنو قریظہ کے مقتولین کی دیت ادا کرنے کی نوبت آتی تو اپنے معیار سے نصف دیت ادا کرتے۔ نبی ﷺ کی مدینہ آمد کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ بنو قریظہ کے ایک شخص نے ایک نضری کو قتل کر دیا۔ بنو نضیر نے حسب روایت دوگنا دیت طلب کی۔ بنو قریظہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ ایک ہی دین کے ماننے والوں اور ایک ہی علاقہ میں رہنے والوں کی دیت میں تفاوت ناروا ہے۔ ہم اس قضیہ کا فیصلہ محمد ﷺ سے کرواتے ہیں۔ بنو نضیر نے اس پر پہلے نبی ﷺ کی رائے معلوم کرنا چاہی تاکہ فیصلہ اگر ان کے حق میں ہونے کی توقع ہو تو آپ کو ثالث مان لیں ورنہ انکار

کر دیں۔

یہود کی اس بدنیتی کے پیش نظر نبی ﷺ کو ان کے بارے میں یہ اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو ان کے مقدمات کی ذمہ داری قبول کریں اور چاہیں تو اس سے انکار کر دیا کریں۔ فرمایا سمعون للکذب اکلون للسحت فان جاءوك فاحكم بينهم او اعرض عنهم و ان تعرض عنهم فلن يضروك شيئا و ان حكمت فاحكم بينهم بالقسط ان الله يحب المقسطين۔ (مائدہ: ۴۲)

﴿یہ جھوٹ کے رسیا اور حرام خور ہیں۔ پس اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے درمیان ثالثی کرو یا ان سے بے رخی اختیار کرو۔ اگر ان سے بے رخی اختیار کرو گے تو یہ تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اور اگر ثالثی کرو تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے﴾

معاہدہ امن و صلح کی خلاف ورزی :

ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے جس طرح یہود اوس و خزرج کو میثاق مدینہ میں شریک کر لیا اسی طرح بنی اسرائیل کے قبائل کے ساتھ بھی معاہدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ امن و صلح کے ساتھ رہیں گے اور ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی حمایت اور حملہ کی صورت میں مدافعت میں تعاون کریں گے۔ لیکن وہ یہود جو خدا کے میثاق کو پس پشت ڈالنے میں بھی جری تھے خدا کے بندوں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے نبھانے میں کیسے مخلص ہوتے۔ معاہدہ کے باوجود انہوں نے پے درپے عہد شکنی کی اور مسلمانوں کو بڑے خطرات سے دوچار کیا۔ اس کی بعض شکلیں حسب ذیل تھیں :۔

۱۔ یہود کے شاعر نبی ﷺ کی ہجو میں نہایت سرگرم تھے۔ اور یہ طریقہ عربوں میں کسی کی شہرت کو داغدار کرنے کا نہایت موثر حربہ تھا۔

۲۔ یہود کا رویہ کچھ اس طرح کا تھا کہ مسلمانوں کو ہر وقت ان کی طرف سے اپنی جان اور عزت کے معاملہ میں کھٹکا لگا رہتا۔ وہ نہ صرف خود اس بارے میں سرگرم رہتے بلکہ اپنے ایجنٹوں کو بھی ذریعہ بناتے۔ مسلمانوں کو برابر تشویش رہتی کہ یہود ان کے لیے کوئی مسئلہ نہ کھڑا کر دیں۔ بنو قینقاع کے بارے میں

بیان ہوا ہے کہ انہوں نے ایک مسلمان خاتون کو سر بازار رسوا کیا اور ان کی ایسی شرارتوں کے نتیجہ ہی میں مدینہ سے ان کی جلاوطنی عمل میں آئی۔

۳۔ یہود اس امر سے واقف تھے کہ مسلمانوں کی قوت ان کے اتحاد اور یک جہتی میں مضمر ہے۔ نبی ﷺ نے نہ صرف اوس اور خزرج کے مابین قدیم دشمنی کو محکم دوستی میں بدل دیا تھا بلکہ انصار اور مہاجرین کے درمیان بھی ولاء کا رشتہ قائم کر دیا تھا۔ مواخات نے اس رشتہ کو مضبوط تر کر دیا۔ یہود اور ان کے ایجنٹ منافقین برابر اس کوشش میں رہتے کہ پرانی دشمنیوں کو پھر سے زندہ کریں اور انصار اور مہاجرین کے درمیان پھوٹ ڈالیں۔ روایات میں آتا ہے کہ ۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر نبی ﷺ نے ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں پانی لینے میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ مہاجر نے انصاری کو تھپڑ رسید کر دیا جس کے نتیجہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان تو تکار شروع ہو گئی۔ عبداللہ بن ابی نے اس موقع پر انصار کے جذبات بھڑکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس نے کہا کہ "یہ ہمارے گھر میں پناہ پا کر اب ہمیں پر غرانے لگے ہیں۔ سچ کہا ہے جس نے کہا ہے کہ کتے کو موٹا کرو تو بالآخر تمہی کو کاٹے گا۔ خدا کی قسم! اب ہم مدینہ کو پلٹے تو جو باعزت ہیں وہ رذیلوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے"۔ اس نے انصار کو مخاطب کر کے یہ بھی کہا کہ "یہ تمہاری اپنی غلطی کا خمیازہ ہے جو تمہیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ تم نے اپنے گھر میں ان کو اتارا اور اپنے مال میں ان کو حصہ دار بنایا۔ خدا کی قسم! اگر تم ان کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیتے تو یہ کب کے یہاں سے بھاگ کھڑے ہوتے"۔

عبداللہ بن ابی کا اشارہ باعزت لوگوں سے انصار کی طرف اور رذیلوں سے مہاجرین کی طرف تھا۔ اور اس کی اپیل جاہلیت کے زمانہ کے اہل عرب کی سی تھی کہ اس سرزمین پر ہم ہمیشہ عزت و اقتدار والے رہے ہیں اور یہ ہمارا حق ہے۔ ہم یہ کس طرح گوارا کر سکتے ہیں کہ جو ہمارے ہاں پناہ لینے آئیں وہ ہمارے آدمیوں کو آنکھیں دکھائیں۔ سورہ منافقون میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

هم الذين يقولون لا تنفقوا على من عند رسول الله حتى ينفضوا ولله خزائن السماوات والارض ولكن المنفقين لا يفقهون يقولون لئن رجعنا الى المدينة ليخرجن الاعز منها الاذل ولله العزة ولرسوله وللمومنين

ولکن المنفقین لا یعلمون-(المنافقون : ۷، ۸)

﴿یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر تم لوگ اپنے مال خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے ساتھ ہیں تاکہ وہ منتشر ہو جائیں-اور اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے لیکن منافقین نہیں سمجھتے- کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کو لوٹے تو جو غالب ہیں وہ وہاں سے ان کو نکال باہر کریں گے جو بے حیثیت ہیں-حالانکہ غلبہ اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے لیکن یہ منافقین نہیں جانتے-﴾

۴- قریش کو جنگوں پر تیار کرنے اور ان کو ہر قسم کی امداد فراہم کرنے میں یہود کا رول نہایت اہم رہا- جنگ بدر سے پہلے یہود کے لیڈروں کی مکہ میں آمد و رفت اور قرشی لیڈروں کے ساتھ سازباز کا ذکر روایات میں بکثرت ملتا ہے اور قرآن مجید نے اس کو شیطان کے رول سے تشبیہ دی ہے- جنگ احد میں عبداللہ بن ابی کا تین سو ساتھیوں کو لے کر مسلمانوں سے الگ ہو جانا بلاوجہ نہیں بلکہ یہود کی سازش کی تکمیل کے لیے تھا-اس کارروائی سے مسلمانوں کے حوصلے جس طرح پست ہوئے ہوں گے ان کا تصور کرنا مشکل نہیں-۵ھ میں غزوۂ احزاب کی منصوبہ بندی میں بنو نضیر کے لیڈر پیش پیش تھے- یہ نبی ﷺ کو قول و قرار دے چکے تھے کہ وہ آئندہ کسی جنگی کارروائی میں حصہ نہیں لیں گے لیکن یہ بات صرف کہنے کے لیے تھی، عمل کے لیے نہیں تھی-بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے مشرک قبائل کے دورے کر کے ان کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کیا اور بالآخر قریش کے لشکر کی تعداد دس ہزار تک بڑھانے میں کامیاب ہو گیا-مدینہ کا محاصرہ جب ناکام ہوتا نظر آیا تو وہ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے ملا اور کہا کہ میں تمہی لوگوں کی خاطر سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینہ پر چڑھا لایا ہوں-اگر تمہی نے اس مہم میں ساتھ نہ دیا تو پھر میری دوڑ دھوپ کا کیا حاصل! مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کرنے کا یہ آخری موقع ہے-اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پچھتاؤ گے-بنو قریظہ اب تک مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدہ کو نبھاتے چلے آ رہے تھے لیکن حیی کی تقریر سے متاثر ہو کر وہ بھی معاہدہ کو خیرباد کہہ کر مشرکین کی مدد کے لیے آ گئے اور آنحضرت کو لشکر کی خاصی تعداد ان کی حرکات پر نظر رکھنے کے لیے مقرر کرنا پڑی تاکہ یہود پشت کی جانب سے حملہ آور نہ ہو جائیں- غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب تینوں کے بعد یہود کے تینوں قبائل...... بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ...... کے یکے بعد

دیگرے مدینہ سے اخراج میں ان کی عہد شکنی کا ہاتھ خاص طور پر نمایاں رہا-

۵- یہود نے نبی ﷺ کو قتل کرنے کی بارہا تدبیریں کیں-وہ حضورؐ کو کسی قضیہ کے طے کرانے اور کسی معاملہ پر گفتگو کرنے کے لیے کبھی اپنے ہاں بلاتے تو قتل کرنے کی سازش بھی تیار رکھتے-بئر معونہ میں جب مسلمانوں کی ایک جماعت قتل ہوئی تو بنو عامر نے دو آدمیوں کی دیت لینے میں مدد حاصل کرنے کے لیے حضورؐ بنو نضیر کے ہاں اکابر صحابہ کے ہمراہ پہنچے تو انہوں نے آپ کو ایک دیوار کے سایہ میں بٹھایا اور اسکیم یہ بنائی کہ دیوار پر سے چکی کا ایک پاٹ آپ پر گرا دیا جائے- آنحضرت کو جبریل امین نے اس اسکیم سے مطلع کر دیا اور آپ بروقت وہاں سے اٹھ گئے- حضور کو کھانے میں زہر ملا کر قتل کرنے کی سازش ایک معروف واقعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو محفوظ رکھا-

آنحضرت کے خلاف یہود کی ریشہ دوانیاں اتفاقی یا عارضی نہ تھیں بلکہ ان کی اس عادت کا مظہر تھیں جس کا مظاہرہ زمانہ قدیم سے وہ کرتے رہے تھے اور جس کے باعث یہود کو انبیائے بنی اسرائیل نے ہمیشہ لعنت کا مستحق قرار دیا- قرآن مجید نے خاص طور پر یہود پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لعنت کا حوالہ دیا ہے-بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے اور فرعون کی ہلاکت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے باوجود ایک بچھڑے کو معبود بنا کر پوجنا شروع کر دیا- کوہ طور کو ان کے سروں پر لٹکا کر اللہ تعالیٰ نے ان سے میثاق لیا اور ان کو عاجزی و فروتنی اختیار کرنے کی ہدایت کی لیکن انہوں نے کسی عہد و پیمان کی پروانہ کی-انہوں نے ہر عہد کو توڑا، اللہ کے احکام کو نظر انداز کیا، انبیاء و مصلحین کو بے گناہ قتل کیا اور ان کی دعوت کی طرف سے اپنے دل بند کر لیے- انہوں نے بنی اسرائیل کے خانوادے کی عفیفہ خاتون مریم علیہا السلام پر بدکاری کی تہمت لگائی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت سے واقف ہونے کے باوجود ان کے قتل کی نہ صرف تدبیریں کیں بلکہ ان کے قتل کے مدعی بھی ہیں-انہوں نے اپنے نفس پر جو ظلم ڈھائے ان کی بدولت شریعت میں حلال کردہ چیزوں کو اپنے لیے حرام کروا لیا- ہر دور میں یہ لوگوں کو حق سے روکنے کی تدبیریں کرتے رہے اور اس سلسلہ میں ان کی ریشہ دوانیاں ڈھکی چھپی نہیں ہیں-سود سے ان کو واضح الفاظ میں منع کر دیا گیا تھا لیکن یہ اس سے باز نہ آئے اور دنیا کی حرص کی بدولت اس کی بد سے بدترین شکلیں رائج کیں-مال و

دولت سمیٹنے کے یہ اتنے رسیا ہیں کہ ان کے ہاں حرام اور حلال میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہا- یہ ناجائز طریقوں سے لوگوں کے مال ہڑپ کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے- جن لوگوں کا سابقہ ریکارڈ اس قدر گھناؤنا ہو ان سے کیسے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اسلام کو آگے بڑھ کر قبول کرلیں گے اور قرآن پر ایمان لائیں گے-

تاہم قرآن مجید نے نبی ﷺ کو یہ ہدایت دی کہ وہ یہود و نصاریٰ دونوں گروہوں تک یہ پیغام پہنچائیں کہ یہ دونوں گروہ جب تک تورات اور انجیل کی تعلیمات کو زندگی کے معاملات میں دخیل ہونے کا موقع نہیں دیں گے اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی ان کے احکام و قوانین کے مطابق بسر نہیں کریں گے، بالخصوص نبی آخرالزماں کے بارے میں پیشینگوئیوں کے تقاضے پورے نہیں کریں گے تو ان کی کوئی دینی حیثیت نہیں ہے- خدا کے ساتھ کسی کو نسبت کسی گروہ سے تعلق کی بناپر حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے اور نیک عمل کرنے کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے اور اس سے یہ دونوں گروہ محروم ہو چکے ہیں-

چونکہ مدینہ کے یہودی قبائل اپنے صحیفوں کی تعلیم کی ذمہ داریاں ادا کرنے سے قاصر رہے اور فساد سے باز نہیں آتے تھے اس لیے نبی ﷺ نے ان کو اللہ اور رسول کے خلاف نبرد آزما ہو جانے والوں اور ملک میں فساد پھیلانے والوں، یعنی محاربین کی صف میں شمار کرتے ہوئے ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا- بعد ازاں اہل کتاب کے بارے میں قرآن نے ایک مستقل پالیسی دے دی جس کے تحت وہ جزیہ ادا کر کے ذمیوں کی حیثیت سے اسلامی حکومت میں رہ سکتے تھے- فرمایا:

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوالکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صغرون -(توبہ :۲۹)

﴿ان اہل کتاب سے، جو نہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے، نہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام ٹھہراتے اور نہ دین حق کی پیروی کرتے، جنگ کرو تاآنکہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں-﴾

محبوب سبحانی

قیامت کی ضرورت (۳)

خدا کی بدیہی صفات کا تقاضا

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کائنات پر غور کرنے سے خدا کی قدرت، ربوبیت، رحمت، علم اور حکمت کی شانیں گوشہ گوشہ سے ظاہر ہو رہی ہیں جو یوم حساب کی نشان دہی کر رہی ہیں- ان صفات پر اگر الگ الگ غور کیا جائے تو یہ صفات بھی ایک روز جزا و سزا کی ضرورت کو ظاہر کرتی ہیں- اب آیئے ہر صفت پر الگ الگ غور کریں-

ربوبیت کا تقاضا:

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ زمین انسان کے لیے ایک گہوارہ ہے جس میں وہ چلتا پھرتا، رہتا بستا ہے وہ اس سے سامان زیست حاصل کرتا ہے، پھر ایک دن مر کر بھی اسی میں دفن ہو جاتا ہے- یہ زمین انسان کے لیے قرار و سکون کی جگہ ہے- دن کے وقت انسان معاشی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے جس کے لیے اس کو سورج کی روشنی اور حرارت کی ضرورت ہوتی ہے- رات اپنی تاریکی میں اس کے لیے سکون و راحت کا سامان لے کر آتی ہے جس میں اس کو نیند آتی ہے جو اس کی دن بھر کی تھکن دور کرتی اور دافع کلفت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ صبح تازہ دم ہو کر اٹھتا اور چاق و چوبند ہو جاتا ہے تاکہ پھر وہ اپنا رزق تلاش کر سکے- زمین سے نظر اوپر اٹھائی جائے تو آسمان کی چھت نظر آتی ہے جو اتنی محکم ہے کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ ستونوں پر کھڑی ہے- اس میں کوئی ادنیٰ نقص بھی نظر نہیں آتا- اس میں سورج ہے جو اس دنیا میں روشنی، حرارت اور قوت کا ذریعہ ہے- یہ نہ ہو تو سارا عالم تیرہ و تاریک ہو جائے- آسمان سے بارش برستی ہے جس سے انسان کے لیے غلے، میوے، پھل، سبزیاں، ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں، پھول اگتے ہیں، مویشیوں کے لیے گھاس اور سبزے اگتے ہیں اور گھنے باغ پیدا ہوتے ہیں- اس مضمون کو قرآن نے سورہ نبا میں یوں سمیٹا ہے-

الم نجعل الارض مھدا والجبال اوتادا و خلقنکم ازواجا و

جعلنا نومکم سباتا وجعلنا اللیل لباسا وجعلنا النہار معاشا و بنینا فوقکم سبعا شدادا وجعلنا سراجا و ھاجا وانزلنا من المعصرات ماء ا ثجاجا لنخرج بہ حبا و نباتا وجنات الفافا- ان یوم الفصل کان میقاتا- (النبا: ۱۷-۶)

﴿کیا ہم نے زمین کو گہوارہ اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور تم کو جوڑے جوڑے نہیں پیدا کیا؟ تمہاری نیند کو دافع کلفت نہیں بنایا؟ رات کو تمہارے لیے پردہ اور دن کو وقت معاش نہیں بنایا؟ تمہارے اوپر سات محکم آسمان نہیں بنائے اور اس کے اندر روشن چراغ نہیں رکھا؟ اور کیا ہم نے پانی سے لبریز بدلیوں سے موسلا دھار پانی نہیں برسایا کہ اس کے ذریعہ سے ہم اگائیں غلہ اور نباتات اور گھنے باغ؟ بے شک فیصلہ کا دن مقرر ہے-﴾

آسمان سے لے کر زمین تک یہ انتظام پرورش صاف گواہی دے رہا ہے کہ جس پروردگار نے یہ سب کچھ کیا ہے وہ انسان کو غیر مسئول نہیں چھوڑے گا- وہ اس کو پیدا کر کے دنیا کے خیر و شر سے بے تعلق ہو کر نہیں بیٹھ رہا بلکہ اس نے ایک فیصلہ کا دن مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ سب کو جمع کر کے فیصلہ کرے گا کہ کس نے ربوبیت کے حق کو پہچانا اور کس نے ناقدری کی- پھر ان کو انعام دے گا جنہوں نے اس کی نعمتوں کو صحیح استعمال کیا اور ان سے انتقام لے گا جنہوں نے ان کو طغیان و فساد کا ذریعہ بنایا- یہ مسئولیت اور جزاو سزا خدا کی ربوبیت کا لازمی تقاضا ہے- چنانچہ فرمایا:

ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السماء فسوھن سبع سماوات و ھو بکل شیئ علیم-
(بقرہ: ۲۹)

﴿وہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا وہ سب کچھ جو زمین میں ہے- پھر اس نے آسمان بنانے کا قصد کیا اور ہموار کر دیے سات آسمان- اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے-﴾

کسی چیز کے ممکن ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضرور واقع ہو کر رہے گی- قیامت کا واقع ہونا ممکن سہی لیکن آخر اس کی ضرورت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا کہ جس خدا نے تمہاری پرورش کے لیے یہ سارا جہان بنایا اور اپنی پروردگاری کی یہ شانیں دکھائیں، جس کی قدرت اس کائنات کے ہر گوشہ سے نمایاں ہو رہی ہے اور جس کی حکمت کی شہادت ذرہ ذرہ سے مل رہی ہے کس طرح ممکن ہے کہ وہ تم کو پیدا کر کے یوں ہی چھوڑ دے اور تمہارے نیکوں اور بدوں میں کوئی امتیاز نہ کرے- اگر وہ ایسا کرے تو اس کی وہ ربوبیت بے معنی ہو جاتی ہے جس کی شہادت اس زمین کے ہر گوشہ سے مل رہی ہے-

انسان کے حیوانی، نفسیاتی، فطری اور ذہنی داعیات اور مطالبات کا اس کائنات میں خوب سے خوب تر جواب موجود ہے- انسان کو زندہ رہنے کے لیے ایک یا دو چیزوں کی ضرورت تھی لیکن اس کی زبان میں جو ذائقہ اور اس کی فطرت میں جو تنوع ہے اس کی بنا پر انسان کی غذا کے لیے ایک سے ایک بڑھ کر سامان موجود ہے- غلوں میں گندم، چاول، جو، چنا اور دوسری چیزیں موجود ہیں جن کے ذائقے مختلف ہیں- گوشت کے لیے انواع و اقسام کے جانور موجود ہیں- مثلاً بکرا، بھیڑ، دنبہ، گائے، بھینس، ہرن، نیل گائے وغیرہ- نیز مختلف قسم کے پرندے اور دوسری سمندری حیات میسر ہیں- ان میں سے ہر قسم کے گوشت کی لذت اور افادیت مختلف ہے- پھلوں کی بھی بے شمار قسمیں ہیں- ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے ہیں- ان میں سے ہر ایک کا مزا مختلف ہے- یہ غذائی سامان نہ صرف یہ کہ انسان کی بھوک مٹاتا ہے بلکہ اس کے جسم کی مختلف ضروریات بھی پوری کرتا ہے- یہ اس کی قوتوں کو پروان چڑھانے کے علاوہ اس کے ذوق تنوع کی بھی تسکین فراہم کرتا ہے- انسان کے محض زندہ رہنے کے لیے ان میں سے صرف چند ہی چیزیں کافی ہو سکتی تھیں لیکن یہ جو خوان بچھا دیا گیا ہے آخر یہ کس بات کی گواہی دیتا ہے- صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے جو زیست کے اس گوناگوں سامان سے ظاہر ہو رہی ہے-

انسان حسن و جمال کا شیدائی ہے- وہ ہر چیز میں خوبصورتی کا متلاشی رہتا ہے- چنانچہ اس کائنات کے گوشہ گوشہ میں حسن و جمال جلوہ آرا ہے- کوئی چیز بھی سادہ و بے رنگ نہیں ہے- زمین کا سبزہ، درخت، فصلیں، وادی و کہسار، چشمے، جھیلیں، دریا کے مناظر دامن دل کو کھینچتے ہیں- آسمان پر نظر

ڈالیے تو سورج، چاند، ستاروں نے اس نیلگوں چھت کو مزین و منور کر رکھا ہے- فضا میں رنگارنگ پرندے اڑانیں بھرتے ہیں- ان میں رنگوں کے امتزاج کو دیکھیے کہ وہ کس طرح آنکھوں میں کھب جاتے ہیں- رنگارنگ پھول مسکراتے نظر آتے ہیں جن کو دیکھ کر دل پکار اٹھتا ہے کہ جا اینجا است- پھلوں کے خوشے، گچھے درختوں پر خوبصورت انداز میں سرمستی کرتے نظر آتے ہیں- یہ چیزیں زبان حال سے دعوت دیتی ہیں کہ وہ انسانوں کی غذا کا سامان ہیں- ہر پھول کی خوشبو الگ اور ہر پھل کی خوشبو جدا ہوتی ہے جو انسان کو مست کر دیتی ہے- جھیلوں اور چشموں کے شیریں نغمے اور چڑیوں کے چہچہے کانوں میں رس گھولتے ہیں- یہ دنیا اپنی بقا کے لیے ان تمام رنگارنگ حسن آرائیوں کی محتاج نہ تھی- ممکن تھا کہ یہ زمین ہوتی لیکن اس میں یہ باغ و چمن، یہ نشیب و فراز، یہ وادی و کہسار نہ ہوتے- ممکن تھا کہ یہ فضا ہوتی لیکن اس میں باد نسیم کے جھونکے اور چڑیوں کے چہچہے نہ ہوتے- ممکن تھا کہ یہ آسمان ہوتا مگر ستاروں کی بزم آرائیاں، شفق کی جلوہ کاریاں اور قوس قزح کی رنگارنگیاں نہ ہوتیں- سوال ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا- اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کا خالق نہ صرف کمال قدرت، کمال صنعت و حکمت اور کمال خیر و برکت کی صفات سے متصف ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ انتہائی رحیم و کریم ہے جس نے اپنی رحمت وربوبیت سے انسان کی ہر ضرورت، ہر داعیہ اور ہر احتیاج کو پورا کرنے کے لیے بہتر سے بہتر سامان کیا ہے-

رحمت کا تقاضا

مزید غور کیا جائے تو یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہر چیز کی فراوانی کے باوجود انسان آپس میں برسرپیکار ہے- چند لوگوں نے وسائل زیست اور وسائل رزق پر قبضہ کر کے کمزوروں کو ان سے محروم کر دیا ہے- ان لوگوں کو تو دنیا کی ہر نعمت میسر ہے لیکن بہت سے دوسرے لوگ کھانے کو ترستے ہیں- یہ لوگ اپنا بچا کھچا کھانا کوڑے کے ساتھ باہر پھینک دیتے ہیں تو غریب، کمزور اور بے کس لوگ اس میں سے اپنا رزق تلاش کرتے ہیں- دولت مندوں کے کارخانوں، جاگیروں اور کاروبار میں سینکڑوں افراد کام کرتے ہیں- ان کی دن رات کی محنت سے ان کی زمین سونا اگلتی ہے، ان کے کارخانے ہر قسم کا مال تیار کرتے ہیں، ان کے کاروبار دولت کے انبار لگاتے ہیں مگر کارکنوں کو ان کا پورا حق بھی نہیں ملتا- ان کے

بیوی بچے شریفانہ زندگی بھی نہیں گزار سکتے- انھیں اور ان کے بچوں کو روٹی، کپڑے، مکان، تعلیم اور علاج کی بنیادی سہولتیں تک میسر نہیں- اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے اجارہ دار بن کر بعض لوگوں کی گردنیں اتنی اکڑ جاتی ہیں کہ وہ فرعون بن جاتے ہیں اور دوسروں کو مجبور کرتے ہیں کہ انھیں خدائی میں شریک سمجھا جائے- جو لوگ ان کے مطالبہ کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے انھیں طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے- دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق ادا کرتے ہوئے نیکی کی راہ اختیار کرتے ہیں لیکن ان سے کہیں زیادہ لوگ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے خدا کے باغی بن کر زندگی گزارتے اور بدی میں مبتلا رہتے ہیں- اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ذہنی اور فکری آبیاری اور انھیں نیکی کی راہ دکھانے کے لیے رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری کیا ہے- ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں انبیاء علیہ السلام بھیجے گئے جنھوں نے انسانوں کو بدی سے روکا اور نیکی کی صراط مستقیم دکھائی- آخر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کر کے اپنی رحمت تمام کر دی اور ہمیشہ کے لیے انسان کو ہدایت کی روشنی عطا کر دی اور ضلالت کی تاریکیوں سے آگاہ کر دیا- ایسی صورت میں اگر انسان پھر بھی نیکی کی بجائے بدی راہ اختیار کرے، دوسروں پر ظلم ڈھائے، ان کے حقوق غصب کرے، زمین میں فساد برپا کرے، تو پھر مظلوموں کی دادرسی کس طرح ہو گی- اس لیے یہ ضروری ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں مظلوموں کی دادرسی ہو، ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے، بدمعاشوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے- اگر ایسا نہ ہو تو خالق کے متعلق اچھی رائے قائم نہیں کی جا سکتی- اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ خالق کو نیکی و بدی میں کوئی امتیاز نہیں بلکہ وہ بدی کو زیادہ پسند کرتا ہے، اسی لیے اس نے شریروں کو سارے وسائل دے کر آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ دنیا میں اودھم مچائیں لیکن ایک رحمان و رحیم ذات کے لیے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا- چنانچہ فرمایا:

كتب على نفسه الرحمة ليجمعنكم الى يوم القيامة لا ريب فيه

﴿اس نے اپنے اوپر رحمت واجب کر رکھی ہے، وہ تم کو جمع کر کے ضرور لے جائے گا قیامت کے دن کی طرف جس میں ذرا شبہ نہیں-﴾

مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ جن لوگوں نے زندگی خدا کی اطاعت میں گزاری، نیکی کی

راہ اختیار کی، نفس کی تمام ترغیبات کے باوجود گناہ سے بچتے رہے اور اس راہ کی مشکلات کو برداشت کرتے رہے بھوک اور نقص مال کی صعوبتیں اور دوسروں کے مظالم برداشت کیے ایسے لوگوں کی قیامت میں دادرسی ہوگی- انھیں خدا کی رحمت کے دامن میں پناہ ملے گی- ان کو انعام اور اعزاز و اکرام سے نوازا جائے گا کہ وہ نہال ہو جائیں گے اور دنیا کے سارے ظلم و ستم کو بھول جائیں گے- اس کے ساتھ جن لوگوں نے ان نیک بندوں پر ظلم کیا ہو گا، ان کا حق مارا ہو گا، انھیں ان کے اعمال کے مطابق سزا ملے گی- اس طرح قیامت کے دن خدا کی رحمت کا کامل ظہور ہو گا- قیامت کا اصل مقصد اہل ایمان کو صلہ دینا ہے- مجرمین کو سزا دینا اس کے مقاصد میں نہیں ہے بلکہ اس کے لوازم اور نتائج میں سے ہے- اللہ تعالی نے یہ دنیا رحمت کے لیے بنائی ہے اور اس رحمت ہی کے لیے اس نے آخرت کا دن بھی رکھا ہے- لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی نکلے گا کہ جو لوگ اپنے آپ کو اس رحمت کا سزاوار نہیں بنائیں گے وہ اس کی زحمت کے سزاوار ٹھہریں گے-

عدل کا تقاضا

کائنات کا سارا انتظام و انصرام عدل اور توازن پر قائم نظر آتا ہے- سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کے درمیان کشش کی ایک قوت کار فرما ہے جو ان کو ان کے دائرے کے اندر گردش کرنے پر مجبور کرتی ہے- ان سب کے لیے گردش کا ایک خاص دائرہ مقرر ہے- زمین سورج کے گرد ایک خاص مدار میں گھومتی ہے- اسی طرح چاند ستارے سورج کے گرد اپنے اپنے مدار کے اندر گردش کرتے ہیں- یہ اپنی اپنی جگہ عدل و توازن کے اصول پر قائم ہیں- اگر ان میں سے کسی کو ذرا سی بھی ڈھیل مل جائے تو یہ آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے اور کائنات کا سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا- دریا اور سمندر اپنی حدود میں بہتے ہیں- جب کبھی ان میں طغیانی آتی ہے تو بستیوں کی بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں- ہواؤں کی رفتار حد سے بڑھ جائے تو درختوں کو اکھاڑ دیتی اور فصلوں کو برباد کر دیتی ہے- سورج کی حدت ایک حد سے نکل جائے تو زمین کی روئیدگی جھلس جاتی ہے- انسان اور تمام جاندار ہلاک ہو جاتے ہیں- بارش حد اعتدال سے تجاوز کرے تو سیلاب تباہی مچاتے ہیں- اعتدال سے کم ہو تو خشک سالی پیدا ہو جاتی ہے- فصلیں سوکھ جاتی ہیں- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ عدل پر قائم ہے- اس کے اندر ایک

میزان ہے جو اگر قائم نہ رہے تو دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے- انسان حدت و برودت، ابر و ہوا، سیلاب اور خشک سالی کے اس اعتدال کے اندر جی سکتا ہے- وہ اگر زیادہ کھا لے تو بیمار ہو جاتا ہے اور کم کھائے تب بھی صحت مند نہیں رہتا- انسانی معاشرے میں برائیاں حد سے بڑھ جائیں تو فساد مچ جاتا ہے- اسی لیے ہر زمانہ اور ہر معاشرہ میں انسان نے اپنے تصور کے مطابق کسی نہ کسی شکل میں نظام عدل ضرور قائم کیا ہے تاکہ بروں کو سزا دی جا سکے- انسان کے اندر عدل کا شعور اس بات کا متقاضی ہے کہ خالق بھی ایک روز عدل لائے جہاں نیکیوں اور بدیوں کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے میزان نصب کی جائے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق سزا یا جزا دی جائے- چنانچہ فرمایا:

ام حسب الذین اجترحوالسیئات ان نجعلہم کالذین آمنوا و عملوا الصالحات سواء محیاھم و مماتہم ساء ما یحکمون-

(الجاثیہ :۲۱)

﴿کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے مانند کر دیں گے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کی زندگی اور موت یکساں ہو جائے گی- بہت ہی برا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں-﴾

دوسری جگہ فرمایا:

افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون-

(القلم :۳۶-۳۵)

﴿کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟ تمھیں کیا ہوا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو!﴾

دوسری جگہ فرمایا:

وما یستوی الاعمی والبصیر والذین امنوا و عملوا الصلحت ولا المسیئ قلیلا ما تذکرون ان الساعۃ لآتیۃ لا ریب فیھا ولکن اکثر الناس لا یومنون- (المومن :۵۸-۵۷)

﴿اندھا اور بینا اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ جو برائی کرنے والے ہیں دونوں یکساں نہیں ہو سکتے- تم لوگ بہت کم سوچتے ہو- بے شک قیامت آکے رہے گی- اس میں کوئی شک نہیں ہے- لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لارہے-﴾

یعنی اگر آخرت نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ دنیا ایک اندھیر نگری ہے- اس کے خالق کے نزدیک عقل و دل کے اندھے اور عقل و بصیرت رکھنے والے دونوں یکساں ہیں- اور نیکو کار اور بدکار میں اس کے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں ہے- یہ بات بالبداہت غلط ہے جو دوسرے الفاظ میں خود خدا کی نفی کے ہم معنی ہے- اس وجہ سے قیامت کا آنا لازمی ہے- سورہ انبیاء میں واضح کیا ہے کہ یہ کائنات بازیچہ اطفال نہیں-

وما خلقنا السماء والارض وما بينهما لعبين- لو اردنا ان نتخذ لهوا لا تخذ نه من لدنا ان كنا فعلين- (الانبیاء: ۱۷-۱۶)

﴿اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل تماشا کے طور پر نہیں بنایا ہے- اگر ہم کوئی کھیل ہی بنانا چاہتے تو خاص اپنے پاس ہی بنالیتے- اگر ہم یہ کرنے والے ہی ہوتے-﴾

مطلب یہ ہے کہ اگر خالق کائنات کوئی کھیل بنانے والا ہوتا تو اپنے پاس سے اس کا سروسامان مہیا کر لیتا، اس میں اپنے بندوں اور دوسری مخلوقات کو کیوں گھسیٹتا؟ روم کے قدیم سلاطین اپنے تھیٹروں میں بھوکے شیروں اور اپنے مظلوم غلاموں کی چیر پھاڑ کر تماشا دیکھتے تھے- اگر دنیا کا کوئی مقصد نہیں ہے تو یہی رائے اس کائنات کے خالق کے متعلق بھی قائم کرنی پڑے گی- اگر اس نے دنیا کے لیے ایک روز عدل نہیں بنایا تو پھر اس نے دنیا کو آدم و ابلیس، حق و باطل، ہدایت و ضلالت، خیر و شر، ظلم و مظلومی کی ایک رزم گاہ کیوں بنایا ہے؟ خالق کو اپنی مخلوقات کے ساتھ جو تعلق ہے وہ اس بات کو واجب کرتا ہے کہ وہ ایک ایسا دن لائے جس میں حق و باطل کا فیصلہ ہو، حق سربلند ہو اور باطل نابود- اس کے بغیر اس کائنات کی کوئی ایسی توجیہ ممکن نہیں ہے جو اس کو حق و عدل پر مبنی قرار دے سکے-

(جاری ہے)

[illegible]

یَاسَارِیَ الْجَبَل!

کیا دجال کی آمد آمد ہے؟

تالیف: اسرار عالم
ناشر: دار العلم، نئی دہلی
ملنے کا پتہ: دانش بک ڈسٹری بیوٹرز 1739/3 نیو کوہ نور ہوٹل پٹودی ہاؤس دریا گنج نیو دہلی

اس کتابچہ میں فاضل مؤلف نے قرب قیامت اور خروج دجال پر اپنی تحقیق پیش کی ہے- انہوں نے اپنی تحقیق کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے کوہ صفا کے اس خطاب پر رکھی ہے جو آپؐ نے اپنی بعثت کے بعد قریش مکہ کو کیا- اس خطاب میں آنحضرت ﷺ نے قریش سے استفسار فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے اس جانب سے ایک فوج تم پر حملہ آور ہونے والی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے تو لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں! ہم تصدیق کریں گے، اس لیے کہ ہمارے تجربے میں یہی بات آئی ہے کہ آپ سچ کے سوا کچھ نہیں کہتے- تو آپ ﷺ نے فرمایا: "فانی نذير لكم بين يدي عذاب شديد" فاضل مؤلف نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: "تو جان لو! میں تمہیں اس (فوج کے) شدید عذاب سے ڈرلوا دے رہا ہوں"- ترجمہ میں اپنی طرف سے "فوج کے" کے اضافہ سے آنحضرت ﷺ کے فرمان کا مقصد صرف حملہ آور ہونے والی فوج تک محدود کر دیا گیا ہے- اس کے بعد کچھ اور احادیث درج کی ہیں اور ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ جس حملہ آور ہونے والی فوج اور جس خطرے کے ظہور کی خبر دی گئی ہے وہ عنقریب ظاہر ہونے والی ہے اور آثار و قرائن اسی امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ قیامت کے آخری مرحلہ کا پہلا حصہ مئی ۱۹۹۹ء سے شروع ہو گیا ہے اور ۲۰ سے ۳۰ سال تک ممتد رہے گا- انہوں نے مزید پیش گوئی کی ہے کہ قیامت کا آخری مرحلہ پانچ حصوں پر مشتمل ہو گا اور ۱۰۰ سے ۳۰۰ سال کے عرصہ میں مکمل ہو گا-

ہمیں اس استنباط سے اتفاق نہیں- پہلی بات تو یہ ہے کہ قریش سے آنحضرت ﷺ کے پہلے

خطاب کا مقصد یہ مراد لینا کہ قریش کو اس فوج کے شدید عذاب سے ڈراتا تھا جس کا اضافہ ترجمہ میں کیا گیا ہے، بے محل ہے۔ دوسری بات یہ کہ آنحضرت ﷺ کا قریش سے استفسار کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو انذار سے پہلے اپنی صداقت وامانت کے بارے میں ان سے اقرار و تصدیق حاصل کر لیں۔ قریش نے بھرپور انداز میں آپ کی صداقت وامانت کی تصدیق کر دی۔ اس خطاب سے کوئی متعین فوج مراد لینا اور اسے اس مفروضہ فوج کے شدید عذاب تک محدود کر دینا کسی طور پر بھی صحیح نہیں۔ اسی طرح ہمیں اس بات سے بھی اتفاق نہیں کہ قیامت کی آمد اور فتنہ دجال کے ظہور کے لیے ایک ٹائم ٹیبل دیا جا سکتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں قیامت کے آثار واشراط کثرت سے آئے ہیں لیکن وہ کب آئے گی اس کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس میں شک نہیں کہ احادیث مبارکہ میں قرب قیامت کی جو نشانیاں بتائی گئی ہیں ان میں سے اکثر اس زمانے میں ظہور پذیر ہو رہی ہیں لیکن ظہور قیامت کے آخری مرحلے کو ۱۰۰ سے ۳۰۰ سال تک اور اس کے پہلے حصے کو ۲۰ سے ۳۰ سال تک محدود و متعین کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الساعۃ۔

فاضل مؤلف نے قیامت کے آخری مرحلے کے پہلے حصے جو بقول ان کے مئی ۱۹۹۹ سے شروع ہو کر ۲۰ سے ۳۰ سال تک وسیع ہو سکتا ہے، کے دوران چار ایسے غیر معمولی واقعات کی پیش گوئی کی ہے جو پوری دنیا کو تہ وبالا کر دیں گے۔ انہوں نے ان متوقع واقعات کی ترتیب بھی بتائی ہے۔ ترتیب مختصراً اس طرح ہے:

۱- حکومت اسرائیل کا فوجی اقدام، مقبوضہ علاقوں کو اسرائیل میں ضم کر لینا اور غیر منقسم یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت بنا لینا۔

۲- مسجد اقصیٰ کو بشمول قبۃ الصخرۃ اور تمام اسلامی عمارات کو زمین بوس کر دینا۔

۳- تمام عرب ممالک پر اسرائیل اور ان کے حلیفوں کے ذریعے بالواسطہ یا بلاواسطہ قبضہ کر لینا۔

۴- عرب ممالک کے علاوہ تمام مسلم ممالک پر اسرائیل اور اس کے حلیفوں کا حملہ کر دینا اور ان کو کلی طور پر تباہ کر دینے کی کوشش کرنا۔

ایک اور ترتیب میں مسجد اقصیٰ کو کسی یہودی طبقے کے ذریعے اچانک کسی اور ڈائنامائیٹ سے

اڑائے جانے کو پہلے نمبر اور اسرائیل کے فوجی اقدام کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے۔ البتہ واقعات کی تعداد اس ترتیب میں بھی چار ہی ہے۔

آگے چل کر فاضل مصنف بخاری شریف کی حدیث "عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة حتى تقتتل فئتان دعواهما واحدة" سے استدلال کرتے ہوئے بیسویں صدی کے واقعات کا تجزیہ کرتے اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہودیت کے دو حصے ہیں، سرمایہ دارانہ قطب (امریکی) اور اشتراکی قطب (روسی) جو بظاہر متخالف اور متحارب ہیں لیکن بباطن ایک ہی مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں اور جن کے ذریعے پوری بیسویں صدی میں خونریزی ہوتی رہی بشمول دو عظیم جنگوں کے جن میں کروڑوں لوگ مارے گئے۔ یہی دو گروہ فئتان دعواهما واحدة ہیں۔

فاضل مؤلف کے اندازے کے مطابق اقتتال فئتين عظيمتين اور ظہور دجال کے درمیان ایک زمانہ ہو گا جسے وہ ظہور دجال کی تیاریوں کا زمانہ گردانتے ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق فئتان عظيمتان کی خونریزی کا خاتمہ ہو گیا ہے اور ہم مذکورہ بالا درمیانی زمانہ میں آ چکے ہیں۔ یہی وہ مدت ہے جسے ۱۹۹۹ سے ۲۰۱۹ یا زیادہ سے زیادہ ۲۰۳۰ تک ممتد قرار دیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں عالم اسلام کو شدید خطرات اور مہلکات درپیش ہوں گے۔ کتابچہ میں ان خطرات ومہلکات کی نشان دہی کی گئی ہے جن میں اقتصادی وسائل پر مغرب کی اجارہ داری، آبی گزرگاہوں پر قبضہ، معدنیات، زراعت اور انسانی وسائل پر خانہ زاد ایجنسیوں اور مالی اداروں کا کنٹرول اور مسلمانوں کی تمام عقلی، ذہنی اور فنی صلاحیتوں اور قوتوں کا استیصال شامل ہیں۔ نیو ورلڈ آرڈر کے نفاذ کے بعد یہودیت اس خطرناک راہ پر چل پڑی ہے کہ جہاں وہ اب جبر واستبداد کا سارا لے کر کسی خطے یا ملک میں نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کو بیک وقت ایک مرکز سے سیکولرائز کرنا چاہتی ہے اور تمام روئے زمین پر ایک ہمہ گیر اجارہ داری قائم کرنا چاہتی ہے۔

قطع نظر اس سے کہ ہمیں فاضل مؤلف کی کچھ باتوں سے اتفاق نہیں، ہم ان کی حالات حاضرہ پر گہری نظر اور تحقیق و تجزیہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اس سے جو نتائج انہوں نے اخذ کیے

ہیں وہ امت مسلمہ کو بیدار کرنے بلکہ جھنجوڑنے کے لیے ایک تنبیہ ہیں۔ ان کے دلائل ٹھوس اور مستحکم ہیں۔ یہ تبصرہ ان کی تحقیق کی تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا تاہم ان کی کاوش قابل قدر ہے مگر افسوس صد افسوس!!! امت مسلمہ میں اب وھن آچکا ہے، اس کی بے خبری، بے حسی اور بے عملی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ مسلمان ممالک بے پناہ وسائل رکھنے کے باوجود مغرب کے دست نگر ہیں اور آپس میں اتفاق و اتحاد کی بجائے تفرق و تشتت کے شکار ہیں۔

پس چہ باید کرد؟ امت مسلمہ کو درپیش خطرات کا سامنا کرنے کے لیے فاضل مؤلف نے نہایت مفید تجاویز پیش کی ہیں جن کا خلاصہ ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے:

> "چنانچہ دنیا کے تمام مسلم سرکاری اجتماعیات اور غیر سرکاری اجتماعیات کا فرض اولیں ہے کہ وہ بلا تاخیر اپنی موجودہ صورت حال سے ہجرت کریں اور ایک امت کی طرح عالمی طور پر منضبط ہو جائیں اور ایسا کرنے میں ہی وہ اس قابل ہو سکتی ہیں کہ آنے والی اس مصیبت کا مقابلہ کر سکیں جو اب ان کے دروازے پر دستک دے رہی ہے اور کسی لمحے تباہی برپا کر سکتی ہے۔
>
> اٹھو ورنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
> دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا"

کتابت اور پرنٹنگ کے اعتبار سے کتاب اچھی اور دیدہ زیب ہے۔ اس کے مضامین قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کیے رکھتے ہیں اور وہ جاننا چاہتا ہے کہ فاضل مصنف صرف خطرات ہی سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں یا امید کی کوئی کرن بھی دکھاتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے امت مسلمہ کے بارے میں خوش فہمی ہی کا تاثر قائم کیا ہے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

تالیفات امام حمید الدین فراہی ؒ

	روپے پیسے
1۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	328 - 00
2۔ حکمت قرآن	84 - 00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی ؒ

1۔ تدبر قرآن کامل۔ (9 جلد)	2,952 - 00
(فی جلد):	328 - 00
2۔ مبادی تدبر قرآن	105 - 00
3۔ مبادی تدبر حدیث	90 - 00
4۔ حقیقت شرک و توحید	144 - 00
5۔ حقیقت نماز	54 - 00
6۔ حقیقت تقویٰ	54 - 00
7۔ تزکیہ نفس: جلد دوم	105 - 00
8۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار	105 - 00
9۔ اسلامی قانون کی تدوین	78 - 00
10۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	78 - 00
11۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	105 - 00
12۔ قرآن میں پردے کے احکام	12 - 00
13۔ فلسفے کے بنیادی مسائل۔ قرآن حکیم کی روشنی میں	120 - 00
14۔ تفہیم دین	90 - 00
15۔ مقالات اصلاحی: جلد اول	165 - 00

فاران فاؤنڈیشن

122۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور۔ 54600۔ پاکستان

فون ۔ 7595200